For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

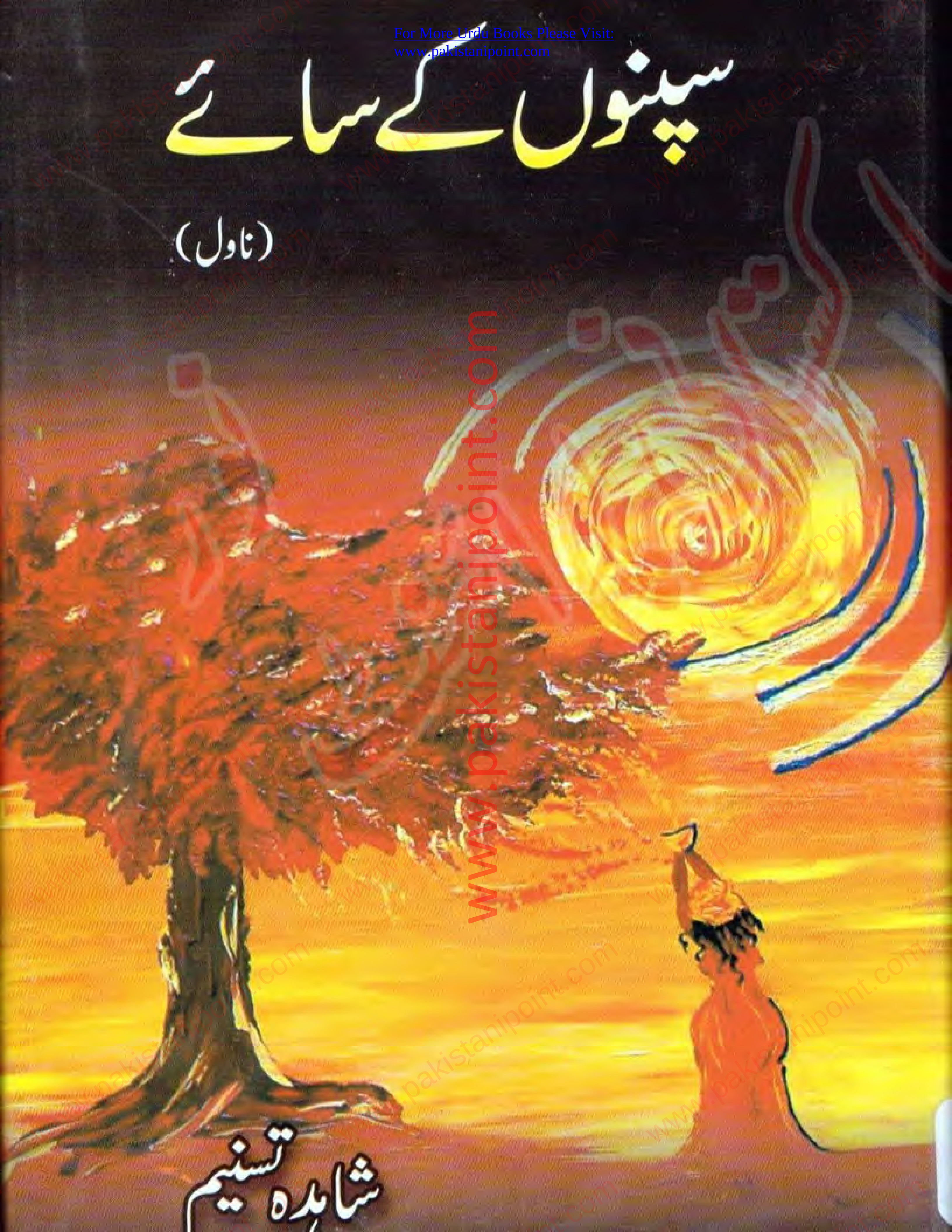

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

سپنوں کے سائے

(ناول)

شاہدہ تسنیم

اُردو پبلشرز۔لندن

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۶ 135
باب ۱۷ 142
باب ۱۸ 158
باب ۱۹ 162
باب ۲۰ 167
باب ۲۱ 171
باب ۲۲ 173
باب ۲۳ 184
باب ۲۴ 189

انتساب

عمران،
عدنان، سلمان،
عرفان اور عثمان کے نام

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

www.pakistanipoint.com

پیشِ لفظ

لیجئے پیش خدمت ہے میرا تیسرا ناول ''سپنوں کے سائے'' یہ ناول مرڈر سسپنس پر مشتمل ہے۔ جس کے ساتھ میرے ارفع امیدیں مربوط ہیں۔ میں بے حد پُر امید ہوں جس طرح آپ نے میرے سابقہ ناولوں 'شیبا اور پردے کے پیچھے' کو پذیرائی بخشی۔ اُسی طرح 'سپنوں کے سائے' میں بھی آپ کو پراسراریت، مقناطیسیت اور سنسناہٹ محسوس ہوگی مجھے یقین واثق ہے۔ بے شمار کہانیاں بہت عرصے سے مسودوں کے صورت میں میرے درازوں کی زینت بنی رہیں۔ میرا یہ ناول دوسری کہانیاں سے مختلف اور منفرد ہے۔ درحقیقت میری کامل کوشش رہتی ہے کہ میں اپنے ہر ناول میں ایک نیا پن پیش کروں۔ کہانیاں انفرادیت سے بھرپور پائی جائیں۔ یہ دماغ میں کس طرح جنم لیتی ہیں یہ تو بذاتِ خود ایک فلسفہ ہے۔ میں ایک نقطہ نظر کو اپنا محور بناتی ہوں اور پھر اسی نقطے سے کہانی کو پھیلا وُ دیتی ہوں۔

لکھنے، لکھانے کا شعور، فن، قاری کو اپنے زورِ قلم سے محظوظ لفظِ اول سے آخر تک رکھنا انتہائی کڑا مشن ہے۔ کہانی کے کرداروں کو آپکی چشم تصور میں تراشنا اسی طرح جیسے مصور کینوس پر اپنی تخلیاتی تصویر بناتا ہے۔ لفظوں میں تسلسل اور روانی مشروط ہے تاکہ آپ کتاب پڑھتے وقت میرے کرداروں کو چشم تخیل میں چلتا پھرتا بولتا ہوا دیکھیں۔ ان کے محسوسات وحساسیت کو اپنے اندر جذب کریں۔ خوشی کے موڑوں پر ان کے ساتھ مسکرائیں، درد بھرے واقعات پر آپ درد دل کی لہروں سے آشنا ہوں۔ مکالموں میں سادگی اور بے ساختگی، روزمرہ زبان میں

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

خوبصورت ڈائیلاگ قاری کو حقیقی زندگی کے قریب لے آتا ہے۔اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ واقعات اور حالات کو پر تجس اور پر متعجب رکھنا مشکل کڑی ہے۔فرضی واقعات بھی مصنف کی شخصیت وکردار کی عکاسی کرتے ہیں۔کہانی کی بعض پگڈنڈیوں پر مصنف کے نجی تجربات اور مشاہدات فرضی رنگ پر ہر چند محیط ہوتے ہیں۔کہاں مصنف کی نجی زندگی قلمبند ہے اور کہاں فکشن۔یہ تو صرف مصنف ہی کی دسترس میں ہے۔ہر ناول نویس اپنے قاری کے دل ودماغ میں گھر کرنا چاہتا ہے۔لیکن یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔یہ وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ نے اپنی فیاضی سے بخشا ہو۔تصنیف کی فراست عطا کی ہو۔میں تہہ دل سے اللہ تعالیٰ کی شکرگزار ہوں کہ یہ تحفہ میرے حصے میں آیا۔

میری کہانیاں درخت کے مضبوط تنے کے مانند ہیں۔اس کے پھیلاؤ کے لئے بہت سی شاخیں نمودار ہوتیں ہیں۔ان شاخوں پر سبز پتوں کے آمد سے درخت ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ میری ان تھک کاوش ہوتی ہے کہ میری کہانی کا کلائمکس روایتی سٹائل سے ہٹ کر کسی دلچسپ اور دل نشین انداز میں اختتام پذیر ہو۔تا کہ میں اپنے قارئین کی سوچ وفکر پر کتاب ختم ہونے کے بعد بھی کچھ لمحے قابض رہوں۔حسبِ معمول مرکزی کردار عورت کے گرد ہی گھومتا ہے۔ چشم حقیقت سے خواتین کو دنیا، سماج وسوسائٹی میں مضبوط وتوانا دیکھنا چاہتی ہوں۔اس لئے میری کہانی کی ہیروئن میں بلا کی خوداعتمادی ہوتی ہے۔ہمت واستقلال کی دولت سے مزین ہوتی ہے۔مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے والی، ارفع عزائم کی حامل، دماغی صلاحیتیں میں مردوں سے کسی صورت کم نہیں ہوتی۔

بطورِ خاص باب اول اور آخر پر میری گہری توجہ مرکوز ہوتی ہے۔متعدد متجس موڑوں پر میرے قارئین ٹھٹکیں اور بھونچکا جائیں۔اسی میں کوشاں رہتی ہوں۔عین ممکن ہے بعض مقامات پر واقعات آپ کے خیال میں غیر متوقع ہوں۔شاید نتائج آپ کی سوچ کے برعکس ہوں۔میں نے ''سپنوں کے سائے'' میں عورت کی مخفی صلاحیت یعنی چھٹی حس، نظر کی باریک بینی اور قیافہ شناسی پر فوکس کیا ہے۔درحقیقت بیشتر عورتوں میں یہ خوبی اللہ کریم نے بطور

ارمغان دی ہے۔مرکزی کردار ترانہ ہے جو کہ ملک کے سب سے ذی فہم، چہرہ شناس اور جہاندیدہ سراغ رساں ہے۔شہری گمشدگیوں کو حل کرنے کے لئے اسپیشل مشن پر تعین ہوئی۔قتل کس نے کیا؟ گمشدگیوں کیسے ہوئیں؟۔یہ ترانہ کے لیے دریافت کرنا آسان تھا۔لیکن واقعاتی شہادتیں، تحریری ومصدقہ دستاویزات کو حاصل کرنا، منظر عام پر لے کر آنا پُر خار اور کٹھن تھا۔اسی دوران بیشتر نجی انکشافات سے مڈبھیڑ ہوئی جس نے ترانہ کی زندگی کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی۔اپنی آراٗ سے آگاہ کیجئے۔

دعاگو
شاہدہ تسنیم

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱

رات نے کروٹ لی۔

آخری پہر میں داخل ہوگئی۔

ہنوز خاموشی کا راج تھا۔ دبیز تاریک چادر میں لپٹی ہوئی خاموشی گہری ہوگئی۔

تیرگی شب نے پورے فلیٹ کو باہوں میں سمیٹا ہوا تھا۔

ہلکی ہلکی ہوائیں فضا میں اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔

دفعتاً

ہوا کے تھپیڑوں کو جلال آ گیا۔

وہ غرانے لگے۔

درختوں پر ہرے بھرے پتے شدت سے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے ماحول میں پراسرار شور کے طوفان امڈنے لگے۔ فضا میں بجتی ہوا کی سیٹیاں کسی آنے والی نادیدہ آفت کا پیغام دے رہی تھی۔

ترانہ بستر پر محو خواب تھی۔

سکھ کی میٹھی نیند نے اسکو جکڑا ہوا تھا۔

خوبصورت چہرے پر طمانیت اور آسودگی کا ڈیرا تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت اور گہرا اندھیرا تھا۔

گلابی سلک کی چادر آدھے جسم پر تھی۔

لمبے کالے بال تکیہ کے اوپر ڈھیر بنے ہوئے تھے۔

www.pakistanipoint.com

سینے کا زیرو بم انتہائی قیامت خیز تھا۔ وہ ہلکے ہلکے سانس کھینچ رہی تھی۔

فلیٹ کے اردگرد ہواؤں کے جھونکے تیز خوفناک آندھی کی صورت میں منتقل ہو گئے۔

ترانہ کے خوابیدہ چہرے کے تاثرات ہولے ہولے بدل رہے تھے۔ بے چینی میں کروٹیں بدلنے لگی۔ آسودگی بے چینی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ حسین چوڑے ماتھے پر ناگواری کے نشان ابھرنے لگے۔ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں موتی کی طرح چمک رہی تھیں۔ اچانک کمرے میں مدہم سی آواز سرسرائی۔

''ترانہ... ترانہ''۔ ایک لڑکی جس کے بال اور مہین سفید لانگ ڈریس ہوا میں لہرا رہے تھے چہرہ تقریباً چھپا ہوا تھا چہرے کے خدوخال بالوں کی لٹوں کے پیچھے پنہاں تھے وہ آہستہ آہستہ ترانہ کے بستر کے قریب کے کھڑی ہوگئی۔

''ترانہ... ترانہ... میری مدد کرو... ترانہ... میری مدد پلیز''۔ لڑکی کی پراسرار آواز سرگوشی میں ترانہ کے کانوں میں اتر رہی تھی لڑکی کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے وہ انتہائی دلگیر اور پریشان کن تھی سوگوار گالوں پر آنسو جگنو کی طرح چمک رہے تھے چھلک کر دھارے بنائے ہوئے گر رہے تھے۔

ترانہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

وہ مجسم تصویر بنی بیٹھی تھی۔ اس کی زبان گنگ تھی۔ سنسنی خیز لہریں تن میں لہراتی گئیں ماحول کی پراسراراہٹ اور سنسناہٹ کا اثر ترانہ کی ذات پر سایہ فگن تھا کمرے کے عجیب وغریب ماحول نے ترانہ کو ہراسان وتراسان کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی تمام تر طاقت کو مجتمع کرتے ہوئے لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا۔

''کون ہو تم... بتاؤ... کون ہو تم...؟''۔ ترانہ نے گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں لڑکی سے پوچھا۔

لڑکی کا چہرہ صاف طور پر نمایاں نظر نہیں آ رہا تھا وہ ساکن وساکت کھڑے تھی۔

''چپ کیوں ہو؟؟... بتاؤ... کیوں بار بار آ کر مجھے تنگ کرتی ہو... کون ہو تم؟''۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"میں تمہاری اپنی ہی ہوں... میری مدد کرو ترانہ... ڈرومت۔" "تم... وعدہ کرو..." ۔یہ کہتے ہوئے لڑکی اپنے دونوں بازو پھیلائے کھڑی رہی پھر لڑکی کا وجود ہواؤں میں تحلیل ہوگیا۔

ترانہ بہت مضطرب ہوگئی۔اس لڑکی کی اضطراری اور دل گرفتگی دیکھی نہ جارہی تھی۔

ترانہ بس آنکھ جھپکے بغیر دیکھتی رہ گئی۔پھر اچانک اس کی آنکھیں کھل گئیں۔وہ بستر سے بوکھلاہٹ میں اٹھ گی۔

ترانہ کی کشادہ خوبصورت ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔سانس دھونکی کی طرح چل رہی تھی۔گہری سوچوں میں غلطاں تھی۔

"آخر یہ لڑکی کون ہے؟... کیوں بار بار میرے خوابوں میں آکر مجھ سے مدد مانگتی ہے... یہ لڑکی ضرور کسی مصیبت میں مبتلا ہے۔لیکن میرے ساتھ اس کا کیا ناطہ ہے..؟"۔

"آخر میرے ہی خوابوں میں کیوں آتی ہے؟... کیا چاہتی ہے مجھ سے؟"۔

ترانہ نے اپنا سر جھکا کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔تین چار مہینوں سے متواتر ترانہ یہی خواب دیکھ رہی تھی۔پہلے تو یکسر نظر انداز کرتی رہی۔لیکن معاملہ پریشان کن ہوتا جارہا تھا۔اسی ادھیڑ بن میں وہ دوبارہ بستر پر گر کر سوگئی۔

"ٹرن... ٹرن... ٹرن..."۔فون کریڈل پر چیخ اٹھا۔

ترانہ گہری نیند سے بیدار ہوگئی۔

وہ آنکھیں ملتے ہوئے کسلمندی سے اٹھی۔

سورج کافی اوپر آچکا تھا۔سورج کی کرنیں فلیٹ کے کمرے میں چھن چھن کر آرہی تھی۔

ترانہ بڑی عجلت سے فون کی طرف بڑھی اور ریسیور اٹھالیا۔

"ہلو..."۔ترانہ ٹیلی فون پر سرسرائی۔

"ترانہ فوراً کراچی پہنچو.. تمہاری ضرورت ہے"۔آئی جی بولے

"آداب... سر... میری ضرورت کیوں پڑگئی...؟"۔ترانہ نے استعجابیہ انداز سے پوچھا

www.pakistanipoint.com

"ترانہ... کراچی کے گردونواح علاقوں میں دھڑا دھڑ غیر متوقع گمشدگیاں ہوئی ہیں۔ان کی تفتیش کے لئے تمہارے سے بہتر ہمارے ملک میں کوئی نہیں"۔آئی جی نے ترانہ کی تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے بولے۔

"میں ویک اینڈ تک پہنچ جاؤں گی..."۔ترانہ نے مزید کہا

"نہیں فوراً آج یہاں رپورٹ کرو"۔یہ کہہ کر آئی جی نے فون رکھ دیا۔

آئی جی کے آرڈر کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے جلدی سے کچن میں چائے بنائی۔سفر کی تیاری کرنے لگی۔ضرورت کے مطابق سامان کار میں رکھنا شروع کردیا۔کپڑے تہہ کر کے سوٹ کیسوں میں بھر دیئے۔اپنا لیپ ٹاپ بھی رکھ لیا اس کے بغیر ترانہ کی زندگی ادھوری تھی۔تمام سامان سے لیس ہوکر بھاگ کر اپنی کار میں بیٹھ کر فلیٹ کو پیچھے چھوڑ کر سڑک پر آگئی۔

تیز و تند گستاخ جھونکے بال کو اڑا رہے تھے۔

رات کا خواب یکسر بھول کر وہ نشیلے موسم کا لطف اٹھانے لگی۔

موسمی جام کے گھونٹ پینے لگی۔

چھ سات گھنٹوں کی ڈرائیو تھی۔لمبی ڈرائیو ترانہ کو بہت پسند تھی۔

وہ اب ٹریفک سے اژدحام سے باہر آچکی تھی۔بہار کا موسم تھا۔شہر کی خوفناک ٹریفک سے نکل کر ترانہ نے سکھ کا سانس لیا۔

قدرتی نظاروں سے اپنی خوبصورت کالی آنکھوں کو سیراب کرنے لگی۔رفتہ رفتہ سہانے موسم اور سفر کی لذت کا بخار چڑھ رہا تھا۔دھندلائے سفیدی والا آسمان جس پر خوبصورت سفید اور کالے چھوٹے چھوٹے بادل۔وادیوں کے دامن میں لمبے تنوں والے بلند و بالا درخت۔چونکہ ٹریفک قدرے کم تھی۔شاذ و نادر کوئی کار نظر آئی ترانہ غیر شعوری طور پر بہت تیز گاڑی چلا رہی تھی۔قطعی بے خبر تھی کہ ایک کار بہت دیر سے اس کے تعاقب میں تھی۔کار کو دیکھ کر ترانہ نے کار کی رفتار کو قدرے کم کیا۔کار نے عقب سے فلیش دیا۔ترانہ سڑک کے کنارے رک گئی اور

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

پچھلی کار اس کے پیچھے رک گئی۔

وہ شیشے کے ذریعے آنے والے کو دیکھنے لگی۔ انتہائی خوبرو نوجوان کار سے نکل کر ترانہ کی کار کی طرف بڑھا۔

''آداب مس میں کب سے آپ کے تعاقب میں تھا لیکن تیز رفتاری کی وجہ سے آپ تک پہنچنا محال تھا۔ آپ کو معلوم ہے آپ کس سپیڈ پر جا رہی تھیں؟''۔ نوجوان نے جھک کر کار کی کھڑکی پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''بس یہی پچاس یا ساٹھ...''۔ ترانہ نے اندازاً کہا۔

''جی نہیں آپ نوے یا سو کے درمیان چلا رہی تھیں'۔ نوجوان کی خوبصورت آنکھوں میں ہلکی پریشانی کی جھلک تھی۔

''آپ کا نام؟''... نوجوان نے ترانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ترانہ... سوری میں ذرا جلدی میں تھی''۔ ترانہ نے اپنے بچاؤ کا جواز پیش کیا۔

''جلدی کیوں؟؟؟... اتنی خوبصورت انمول جان کو خطرے میں ڈالنا تو زیادتی ہے'۔ نوجوان کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی۔

''جلدی تھی دراصل مجھے ایک بجے تک رپورٹ کرنی ہے... اسپیشل مشن''۔

''اچھا.. تو یہ بات ہے...'' نوجوان نے معنی خیز انداز سے سر ہلاتے ہوتے کہا۔

''آئی جی کو جانتے ہیں آپ؟''۔

''ہاں''۔

''کیسے مزاج کے ہیں؟''... ترانہ نے سوالیہ نگاہوں سے اپنی نوکیلی گھنی مژگان کو اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے تو آپ پر ترس آ رہا ہے... وہ نہایت اکھڑ مزاج ادھیڑ عمر اور سخت بور ہیں'۔ نوجوان نے سیریس انداز میں کہا

''او... نو... میرا کیا ہوگا...''۔ ترانہ پر بوکھلاہٹ طاری ہوگئی اس کا چہرہ یکلخت بدل گیا۔

''اچھا مس ترانہ... اپنی انمول جان کی حفاظت کیجئے''۔ نوجوان نے شرارت بھری نظروں سے ترانہ کو دیکھا۔

وہ ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ لئے مڑا۔ نوجوان اپنا نام بتائے بنا اپنی کار کی جانب چلا۔

'اپنا نام تو بتاتے جائیے' ترانہ کی شہد بھری آواز اس کے کانوں میں اتری۔

وہ مڑے بغیر کار لے کر چلا گیا۔

ترانہ اپنی قسمت کو کوستی ہوئی آدھے گھنٹے کے بعد پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے تھی۔

گلابی سوٹ پہنے ہوئے گلے میں ڈوپٹہ لٹکائے آفس میں داخل ہوئی۔ استقبالیہ اسسٹنٹ نے ترانہ کو آفس کی سمت سے آگاہ کیا۔

ترانہ نے دروازہ پر ہلکی تھاپ دی۔ اندر سے آواز آئی۔

''اندر آ جائیے''۔

ترانہ اندر گئی۔

گھومنے والی کرسی کھڑکی کی طرف تھی پشت ترانہ کی طرف۔ کرسی کے اوپر آئی جی کا سر اور سر پر کالے کالے بال نمایاں تھے۔ بال تو کالے ہیں۔ شاید خضاب لگایا ہوا ہے۔

''آداب سر میں آ گئی ہوں... اسپیشل مشن کیا ہے؟...''۔ ترانہ نے اپنی ہمت باندھتے ہوئے پوچھا۔

گھومنے والی کرسی ہلی اور آئی جی ترانہ کے سامنے تھا۔

ترانہ بھونچکا گئی۔ سامنے وہی نوجوان اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے بیٹھا تھا۔

''تو... تو... وہ... آپ تھے سر...''۔ ترانہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

'جی ہاں...''۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''۔

''اگر میں بتا دیتا تو آپ کی جھنجلاہٹ سے محظوظ کیسے ہوتا؟''۔ پھر اچانک پوچھا

''مس ترانہ آپ کہاں ٹھہریں گی؟''۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"میں نے کوئی انتظام نہیں کیا سر"۔ ترانہ پریشان ہوگئی۔ الجھنیں چہرے سے عیاں تھیں۔

"مس ترانہ... ایک مکان خالی ہے لیکن وہ ذرا پراسرار اور خوفناک علاقے میں ہے۔ سنا ہے اس مکان میں کوئی رہنا پسند نہیں کرتا..." تیمور بولا

"کیوں؟"

"وہاں کچھ پراسرار واقعات سننے میں آئے ہیں۔ اس لیے سب کنارہ کشی کر لیتے ہیں"۔

"مالک مکان کون ہے؟"۔

"کسی ایجنٹ کے پاس ہے"۔

"تو میرا کیا ہوگا... سر؟" ترانہ پریشانی کے عالم میں بیساختہ بولی

"دوسرا حل ہے میرے پاس"۔

"کیا؟"

"میرے گھر رہ لو جب تک گھر کا انتظام نہیں ہوجاتا۔ گھر میں ماں، بہن اور میں رہتے ہیں"۔ تیمور نے پرامید نظروں سے ترانہ کو دیکھا۔

"نہیں سر میں بچپن سے ہی اکیلی ہوں۔ تنہایاں مجھ پر عاشق ہیں"۔ ترانہ افسردہ لہجے میں بولی

"تنہائی کے علاوہ اور کون عاشق ہے آپ پر؟"۔

تیمور کی شرارت بھری نظروں کو محسوس کرتے ہوئے ترانہ کا بدن سلگ اٹھا۔ گالوں پر گلابی رنگ لہرا گیا۔

"سر میں ایسی فضولیات میں نہیں پڑتی۔ اس مرض کا طوطا میں نہیں پالتی"۔ ترانہ نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

تیمور سیریس ہوگیا پھر اصل مقصد پر آتے ہوئے کہا

"ڈرو گی تو نہیں اس گھر میں مس ترانہ"۔

"نہیں۔ کافی بلند ہمت والی اور پھر کراٹے کی ماہر ہوں"۔ ترانہ نے اکڑتے ہوئے کہا۔

"تو چلو تم کو دکھادوں وہ مکان"۔

"چلیے"۔

تیمور اور ترانہ اپنی اپنی کاروں میں بیٹھے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ گنجان علاقے سے نکل کر کھلے علاقے میں آگئے۔

جہاں گھر ذرا دور دور تھے۔ تیمور نے کار کو گھر کے باہر پارک کیا۔ دیو قامت کالا آہنی گیٹ کھولا۔ تیزی سے کار کو اندر لے گیا۔ بنگلے کے پورچ میں پارک کی۔

اس گھر کا ماحول انتہائی ہیبت ناک تھا۔

دن کے اجالے میں بھی یہ گھر کافی حد تک خوفناک سا لگا۔ گھر کے اردگرد ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس ہوئے جو گیٹ سے باہر نہ تھے۔

ترانہ کو اچانک یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دائیں ہاتھ کو پکڑا ہو اور پھر پاس سے گزر گیا ہو۔

ہوا کے جھونکے کے مانند۔ اس کے کانوں میں دھیمی سی آواز ابھری۔"ترانہ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ آجاؤ ترانہ... اس گھر میں... ڈرو نہیں"۔

ترانہ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے بوکھلاہٹ اور سٹپٹاہٹ میں دائیں بائیں اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔

کوئی بھی حدِ نگاہ نہ تھا۔ وہ حیرتوں اور پریشانیوں میں ڈوب گئی۔ سامنے تیمور بنگلے کا مین دروازہ کھول کر کھڑا تھا۔ وہ بغور ترانہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو نوٹ کر رہا تھا۔ ترانہ کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ کر کچھ پریشان ہوگیا۔

"کیا بات ہے ترانہ کوئی بھوت تو نہیں دیکھ لیا؟ تمہارا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا ہے"۔ تیمور نے فکرمندانہ لہجے میں سوال کیا

ترانہ چپ رہی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

اس کو دوبارہ محسوس ہوا جیسے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا ہو اور کھینچ کر گھر کے اندر دھکیلا ہو۔ جیسے ہی وہ اندر آئی۔ ترانہ کی گھبراہٹ اور سراسیمگی دور ہوگئی۔ گھر کے اندر ماحول مطمئنہ وطراوت بخش تھا۔ یک لخت آسودگی اور طمانیت کی لہریں ترانہ کے چہرے پر ابھریں۔

تیمور نے سارے گھر کا معائنہ کیا۔ گھر اسقدر صاف ستھرا تھا شاید کسی نے ان کے آنے سے پہلے صفائی ستھرائی کی۔ یوں لگا جیسے کوئی اس گھر میں رہتا ہے۔

''سر آپ تو کہہ رہے تھے یہاں کوئی نہیں رہتا لیکن مجھے لگتا ہے یہاں لوگ رہ رہے ہیں۔ ہر چیز کتنی خوبصورتی اور قرینے سے رکھی ہوئی ہے''۔

''لیکن یقیناً یہاں کوئی بھی پچھلے دس سال سے نہیں آیا''۔

یکا یک ترانہ کو ہواؤں میں سرگوشیاں سنائی دیں ''خوش آمدید... ترانہ... تم آگئی ہو''۔

گھر کے اندر سکون چین اور طمانیت تھی۔

ہر سو خاموشی کا دور دورہ تھا۔

مین ڈور کے مدمقابل ایک ہال تھا جو کہ کچن کی طرف جاتا تھا۔ بائیں طرف ڈرائنگ روم جو کہ بہت ہی جدید طریقے سے آراستہ کیا گیا۔ ہال سے سیڑھیاں اوپر بالائی منزل پر لے جاتی تھیں۔ بالائی منزل پر بڑے بڑے بیڈ روم تھے۔ اس کی سجاوٹ نجل اور ماڈرن طریقے سے کی تھی۔ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ میرے کام کے لئے اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔ مکمل سکوت ہے۔ دنیا کے شور وغل سے الگ تھلگ جگہ۔ اپنا کام نہایت مستعدی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکوں گی۔ ترانہ نے درخانہ طور پر حتمی فیصلہ کیا۔ پھر کھینچ کر سکون کا سانس لیا۔

''مجھے یہ گھر پسند ہے۔ میں یہیں رہوں گی''۔ ترانہ نے اپنا فیصلہ اعلانیہ طور پر سنا دیا۔

اسی لمحے ترانہ کے کانوں میں خوشی کی گھنٹیاں بجنی شروع ہوگئیں۔

'سر کیا آپ کو کچھ سنائی دے رہا ہے؟' ترانہ نے حیرانگی سے تیمور کو دیکھا

'نہیں یہاں تو بالکل سکوت ہے'۔ تیمور نے برجستہ کہا۔ پھر باہر گیا تمام سامان اندر لے آیا۔

'تمہارے ساتھ کسی اور خاتون کا انتظام کیا جائے گا۔ میں نہیں چاہوں گا کہ تم اکیلی اس گھر میں رہو۔ دو چوکیدار ایک خادمہ اور ڈیپارٹمنٹ سے لیڈی پولیس کا بھی انتظام کردوں گا۔ صبح سے ڈیوٹی پر آجانا'' تیمور نے ترانہ کو ہدایات صادر کیں۔ پھر چند لمحے رک کر ترانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''مس ترانہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرلو.. تم یہاں خوفزدہ ہو جاؤ گی۔ یہاں سکوتِ مرگ چھایا ہوا ہے۔ فضا کی پھڑ پھڑاتی ہوئی سانسیں ہیبت ناک ہیں''۔

''سر میں نے خاموش ماحول میں ہوش سنبھالا ہے۔ اداس اندھیری راتیں ہی میری ہمراز میری ہمجولیاں ہیں۔ باہر کا سناٹا اور سکوت میرے اندر کے سناٹے سے قدرے کم خطرناک ہے''۔ ترانہ کی خوب صورت آنکھوں کے کٹوروں میں پانی کی نمی اتر آئی۔ چہرہ پر اداسی کے سائے گہرا گئے۔

تیمور خاموشی سے ترانہ کے خوبصورت سوگوار چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

عمیق گہرائیوں میں ڈوبا سوچوں میں غلطاں تھا'' کاش ترانہ تم مجھ پر بھروسہ کرلو۔ اعتماد کرو۔ مجھے ایک موقع فراہم کردو تو میں تمہاری تنہایاں، فرقتیں کم کرسکتا ہوں''۔

گھر سے نکل کر تیمور اپنی کار لے کر چلا گیا۔

ترانہ سفر کر کے تھک گئی تھی۔ واماندگی چہرے سے نمایاں تھی۔ ڈرائنگ روم میں صوفہ پر ہی دراز ہوگئی۔ تھکن سے آنکھیں موندلیں۔ اچانک گہری نیند میں جکڑی گئی۔ وہی لڑکی معاً اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہی سفید سلک کا لمبا گاؤن پہنا تھا۔ لمبے لمبے بال کمر تک جھول رہے تھے۔ لڑکی کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ وہ ترانہ کو اس شہر میں پا کر بہت مسرور تھی۔ ''ترانہ... میں صرف انصاف چاہتی ہوں... میری بے چین روح بھٹک رہی تھی۔ مجھے تمہارا انتظار تھا''۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۲

تیمور اپنے آفس میں ڈیسک کے پیچھے بیٹھا تھا۔ سامنے فائلوں کا انبار قطب مینار کی طرح کھڑا تھا۔ انتہائی مصروفیت کی بنا پر مغز ماری کر کے جھنجلایا ہوا تھا۔ آج ترانہ نے تیمور کو اپنی رپورٹ دینی تھی۔ تیمور نے ٹیلیفون کر کے ترانہ کو اپنے آفس بلایا۔ ترانہ کا انتظار وہ بڑی بے چینی سے کرنے لگا۔ خیالوں اور ہواسوں میں ترانہ پہلی نظر میں چھا گئی تھی۔ اب کیا ہوگا؟ تیمور نے تخلیاتی دنیا میں اپنے آپ سے مخاطب تھا۔ وہ ترانہ کو کبھی نہ پا سکے گا۔ امی کسی صورت بھی یہ گوارہ نہ کر سکیں گی۔ امی پھر اپنی مجبوریاں، اپنی فیملی کے احسانات گنوانے بیٹھ جائیں گی۔ امی کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑیاں دیکھ کر میں پھر کمزور ہو جاؤں گا۔

''اب کیا ہوگا؟... ترانہ میرے دل کو بھا گئی ہے۔ شاید جب دل کسی طرف کھنچا چلا جاتا ہے تو اس کو محبت کا نام دیا جاتا ہے''۔ وہ متذبذب دنیا کی گہرائیوں میں سے نکل کر حقیقی دنیا میں آ گیا۔

دروازے پر تھاپ ہوئی۔ ترانہ اندر آئی۔ وہ ہلکے آسمانی سوٹ میں انتہائی خوبصورت لگی۔ ہلکا سا میک اپ چہرے کو مزید دلفریب بنا رہا تھا۔ کافی دیر اسی ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ پھر اچانک محسوس ہوا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ تو آپ خجالت محسوس ہونے لگی۔

''اندر آیئے مس ترانہ''۔

''آداب سر''۔ ترانہ کی مدھر آواز تیمور کے کانوں میں شہد کی طرح ٹپکنے لگیں۔

''آداب مس ترانہ... رات کیسی گزری''۔

''ٹھیک گزری سر''۔

''خوفزدہ تو نہیں ہوئی آپ''۔

''نہیں سر بالکل بھی نہیں۔ لیکن آپ کے چہرے پر واماندگی عیاں ہے۔ لگتا ہے سوئے نہیں ساری رات بھر''۔

''اوں... آپ نے صحیح تجزیہ کیا۔ نظر شاہین کی مالک ہیں آپ۔ بہت سے کیس لٹکے ہوئی ہیں اسی ادھیڑ بن میں سو نہ سکا۔ سینئیر کا پریشر بڑھتا جا رہا ہے۔ سالہا سال سے منجمد کیسوں کو سلجھانے کا آرڈر ہے۔ جلد از جلد ان تحقیقات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے''۔

''سر میں آ گئی ہوں نا... اب آپ بالکل بے فکر ہو جایئے... میں ہوں نا...''۔ ترانہ نے بناوٹی اتراہٹ سے کہا

''بسر و چشم... مجھے کوئی تسلی اور دلاسہ دینے والا آ گیا''۔ ''میں بہت مسرور ہوں... اچھا تو مس ترانہ اب کام کی باتیں ہو جائیں''۔

''سر مجھے بریف کیجے... گمشدہ لوگوں کے بارے میں۔ کون گمشدہ ہے اور کب سے؟'' ترانہ نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

تیمور نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ان فائیلوں میں وہ تمام گمشدگان کے بارے میں تفصیلات ہیں جو کوئی حل نہ کر سکا اور بہت عرصے سے منجمد ہو گئے ہیں''۔ تیمور نے ذرا سیریس لہجے میں کہا۔ اب وہ مکمل طور پر کام کی طرف متوجہ تھا۔

''سر مجھے سب سے پرانے کیس کی تفصیلات پر وضاحت چاہیے''۔

''سب سے پرانا کیس ہیڈ ٹیچر ایاز کا ہے''۔

''اس کا پس منظر''

''یہ کیس چھ سال پرانا ہے۔ لیاقت کالج کے ہیڈ ٹیچر ایاز کا۔ ان کی بیوی کی شکایت پر کیس درج ہوا ہے۔ آج تک پتہ نہ چل سکا کہ ایاز کہاں روپوش ہو گیا۔ جب تک لاش نہ ملے گی ہم اس کو گمشدہ سمجھیں گے''۔

ترانہ اپنی نوٹ بک میں نوٹس لکھ رہی تھی۔ دوسری گمشدگی کی رپورٹ مسٹر جمشید سہیل کی

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

ہے۔بہت بڑی مل کا مالک تھا۔مسز جمشیداور بیٹی مرینہ نے یہ کیس درج کیا تھا۔

ترانہ نے فائل کھولی۔سرسری طور پر تمام تفصیلات کو پڑھا۔نہ جانے کیوں ترانہ کو جمشید سہیل زبردست شخصیت کے حامل لگے۔

ان کی شخصیت میں نہ جانے کیا مقناطیسیت طاقت تھی۔جس کے زیر اثر گم سم تصویر کو دیکھتی رہی۔نہ جانے کتنے سیکنڈ اسی طرح گزر گئے۔

تیمور آنکھیں جھپکے بغیر ترانہ کے چہرے پر مدوجزر کے اتار چڑھاؤ پڑھنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

’’کیا بات ہے مس ترانہ؟ اتنی غور سے کیوں تصویر کو دیکھ رہی ہو؟ کیا مسٹر جمشید کو جانتی ہو؟‘‘۔

’’کچھ نہیں..میں ان کو نہیں جانتی۔بس مسٹر جمشید سہیل کی شخصیت بہت دلچسپ اور منفرد لگی‘‘۔پھر تھوڑے سے توقف کے بعد کہا

’’اور کوئی کیس سر؟...‘‘۔ترانہ نے مزید وضاحت چاہی

’’سب کیس ان فائلوں میں ہیں‘‘۔تیمور نے فائلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

’’سر میں یہ تمام فائلیں گھر لے جارہی ہوں۔اپنا کام آج ہی سے شروع کر دوں گی‘‘۔

’’مس ترانہ رات ڈر تو نہیں لگا اکیلے بنگلے میں۔صحیح بتائے‘‘۔

’’نہیں سر میں تو ازل سے اکیلی ہوں۔تنہائیاں تو میرے وجود میں سرایت کر گئیں ہیں‘‘۔

ترانہ انتہائی فلاسفانہ انداز میں سوگواری سے بولی۔

’’کاش میں تمہاری تنہائی دور کر سکتا ترانہ...کاش...لیکن یہ ظالم زمانہ شاید مجھ کو اتنی اجازت نہ دے‘‘۔تیمور نے خیالات میں ڈوبتے ہوئے سوچا۔

’’جب بھی کسی مدد کی ضرورت ہو۔مجھے یاد کرنا نہ بھولئے گا مس ترانہ‘‘۔تیمور نے بڑے مہربانہ انداز میں کہا

’’میں جانتی ہوں سر...‘‘۔یہ کہہ کر ترانہ کرسی سے اٹھی مڑی پھر پیچھے دیکھے دروازہ کی دہلیز

پار کر گئی

تیمور بڑی حسرت سے دلکش نازک اندام ترانہ کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اس کی پتلی کمر پر بل کھاتے ہوئے بال اس کے سینے میں ناگ بن کر ڈسنے لگے۔

ترانہ کاش اس کیس پر تم مامور نہ ہوتی کاش...میں دل دے بیٹھا ہوں تم کو اور تم قطعی بے خبر ہو...ساری رات آنکھوں میں کٹی۔مجھے بے چین کر کے تم چین کی نیند سوتی رہی..‘‘

تیمور مایوس کی مہیب گہرائیوں میں گرتا چلا گیا۔

کار چلاتے وقت ترانہ کا مرتکز تیمور تھا۔

ہواؤں کے جھونکے ترانہ کے بالوں کی لٹوں کو لہرا رہے تھے۔

تیمور پہلی نظر میں بھلا آدمی لگا۔اس سے زیادہ وہ کچھ اور محسوس نہ کر سکی اور شاید کرنا بھی نہ چاہتی تھی۔

ترانہ کی زندگی متحرک بادل نما تھی۔اس کا اس دنیا میں کوئی نہ تھا۔ہوش پڑتے ہی انکشاف ہوا کہ وہ ماں باپ کی لے پالک اولاد تھی۔ان کا کوئی بچہ نہ تھا۔ترانہ کو گود لے لیا۔ترانہ صرف دو ماہ کی تھی۔انہوں نے اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا۔اچھی تعلیم دلوائی۔ایم اے کرنے کے بعد اس نے پولیس جوائن کر لی۔ایک سال پہلے ماں باپ رخصت ہو گئے۔وہ دنیا و مافیہا میں تنہا ہو گئی۔زندگی کے مفہوم کو بخوبی سمجھتی تھی۔خود کو حالات کی تحویل میں دے دیا۔زندگی نارمل ڈگر پر چل پڑی۔

ترانہ کم وبیش کوئی سہیلی بناتی۔وہ مکمل طور پر خلوت گزیں تھی۔اپنا کام بڑی مستعدی کے عالم میں کرتی پھر گھر آ کر مکمل آرام۔

انہی سوچوں میں مستغرق تھی گھر آ گیا۔نوجوان چوکیدار نے گیٹ کھولا۔وہ حیران و پریشان اس کو دیکھنے لگی۔

’’تیمور صاحب نے بھیجا ہے مجھے‘‘۔چوکی دار بولا پھر تمام فائلیں کار سے نکال کر تیز اور تند ترانہ کے پیچھے گھر میں گھسا۔ڈرائنگ روم میں ایک لیڈی پولیس بیٹھی ہوئی تھی۔کچن سے

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

روسٹ چکن کی خوشبو اس کے نتھنوں کو چھوگئی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''۔ ترانہ نے گرم اور تیز لہجے میں کیا۔

''مس ترانہ ہم تیمور صاحب کے آرڈر پر آئے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی رہیں گے''۔ لیڈی پولیس خوشدلی سے بولی

''میں نے تو نہیں پوچھا تھا؟ مجھے تنہا رہنے کی عادت ہے۔ کسی اور کا وجود میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوجاتا ہے''۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس سنسان علاقے میں تنہا لڑکی کا رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ تیمور صاحب آپ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ہم کو بھیجا ہے''۔ لیڈی پولیس نے جلد اپنی موجودگی کا مدعا سمجھایا۔

''اچھا... اچھا.. ٹھیک ہے...''۔ ترانہ نے تیز لہجے میں برہم ہوتے ہوئے کہا۔ وہ جان گئی کہ ان کو یہاں رہنے کا آرڈر ہے۔

''مس آپ شاور کر لیں۔ صابی نے بڑا شاندار کھانا تیار کیا ہے آپ کے لیے''۔

''صابی کون ہے؟'' ترانہ نے سوال اٹھایا۔

''مس وہ خادمہ ہے''۔

''او کے... میں شاور کر کے آتی ہوں۔ کھانا لگواؤ''... ترانہ گنگناتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھی۔ گرم گرم پانی کی بوندیں پڑتے ہی اس کا تمام غصہ ہرن ہوگیا۔ گرم پانی کی مدھر دھن خوبصورت جسم کو آسودگی اور طراوت بخش رہی تھیں۔ وہ نہاتے ہوئے شاور روم سے نکل آئی۔ کپڑے بدلے اور نیچے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ صابی نے کھانا ٹیبل پر لگایا۔ بڑے ادب سے سلام کیا۔

''ترانہ بی بی مجھے یہاں نوکری پر رکھ لیں۔ میں آپ کا بہت خیال رکھوں گی''۔ صابی خوشامدانہ انداز میں کیا

''مس ترانہ یہ بہت غریب بیوہ ہے۔ ایک بیٹا ہے۔ سکول جاتا ہے۔ فیس پوری نہیں

ہوتی۔ گزارہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر آپ یہاں رکھ لیں تو اس کی مدد ہوجائے گی''۔ لیڈی پولیس بولی

''اچھا تم یہاں رہ سکتی ہے''۔ صابی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

''شکریہ بی بی... آپ کا احسان ہے مجھ پر''۔

''صابی میرے کپڑے استری کر کے الماریوں میں ٹانگ دو۔ کافی بنا کر ٹی وی روم میں لے آؤ.. تمہارا نام کیا ہے؟'' ترانہ لیڈی پولیس کی طرف مڑتے ہوئے بولی

''آصفہ''۔

''تمہارا سامان کہاں ہے؟''۔

''مس وہ تو آپ کے ساتھ والے بیڈروم میں سیٹ کر دیا ہے''۔

آصفہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سورج لب بام تھا۔

شام کی تاریکی بڑھ گئی۔

تمام فلیٹ اس کی لپیٹ میں تھا۔ ترانہ تمام فائلوں کو اٹھائے اوپر بیڈروم میں چلی گئی۔ کھڑکی کے سامنے کھڑی باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔ گھر کے تھوڑے فاصلہ پر جھیل تھی۔ چاند اپنی تمام تر خوبصورتیوں اور رعنائیوں سے چمک کر چاندنی پھیلا رہا تھا۔ دور درختوں کے جھرمٹ میں ایک بلند و بالا درخت کے تنے پر ترانہ کی آنکھیں منجمد ہوگئیں۔ تنے کے ساتھ وہی لڑکی سفید سلک گاؤن پہنے کھڑی تھی۔ اس کے لمبے سیدھے بال کمر تک جھول رہے تھے۔ لڑکی کا رخ ترانہ کی کھڑکی کی طرف ہی تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے اس کو بلا رہی تھی ترانہ اس کو دیکھتے ہی بھونچکا گئی۔ یہی لڑکی مسلسل خوابوں میں وارد ہوتی تھی۔

''یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟۔ مجھے کیوں بلا رہی ہے؟۔ مجھے جا کر پوچھنا چاہیے''۔ ترانہ بوکھلاہٹ اور ہڑبڑاہٹ میں نیچے بھاگی۔ تیز رفتاری سے گیٹ کو پار کر کے جھیل کی طرف بڑھی۔ صابی، آصفہ اور دونوں چوکی داروں نے ترانہ کو بدحواسی میں بھاگتے

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

دیکھا۔ وہ سب ترانہ کے پیچھے بھاگے۔ سب چلا رہے تھے۔

''مس ترانہ... کیا بات ہے؟... کہاں جا رہی ہیں آپ... مس؟'' ترانہ آنکھیں جھپکے بغیر ٹکٹکی باندھے بلند قامت درخت کو دیکھے جا رہی تھی۔

''وہ دیکھو... وہ لڑکی... راتوں کو میرے خوابوں میں آ کر مجھے تنگ کرتی ہے..''۔ ترانہ اپنی انگلی سے درخت کے مضبوط تنے کی طرف اشارہ کیا۔

''لیکن وہاں تو کوئی نہیں ہے مس...''۔ چوکیدار بولا

''تم اندھے ہو تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا... وہ لڑکی سفید سلک گاؤن پہنے کھڑی ہے''۔ ترانہ مصر تھی۔

''وہاں اس درخت کے نیچے ایک لڑکی سفید گاؤن پہنے کھڑی تھی..''ترانہ نے درخت کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

''نہیں مس یقین کیجئے یہاں کوئی نہیں آیا... سب کو ہمارے سامنے سے گزرنا پڑتا ہے یہاں آنے کے لئے''۔ دوسرے چوکیدار نے کہا

''پھر رات کو اتنی سنسان جگہ پر اکیلی لڑکی... مس یہ ناممکن ہے''۔ آصفہ نے اپنی گردن پُر جوش طریقے سے نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ... وہ... یہاں تھی... ایک لڑکی... سفید سلک کا لمبا گاؤں پہنے ... میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی...''۔ ترانہ روہانسی ہو کر بولے جا رہی تھی۔

''مس چلیے گھر... آپ کو آرام کی ضرورت ہے... میرا یقین کیجے۔ یہاں اس وقت کوئی بھی آنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یقیناً لڑکی تو نہیں''۔

آصفہ نے ترانہ کا دائیں ہاتھ پکڑتے ہوئے کھینچا۔

سب واپس پلٹ گئے۔

ترانہ بڑی الجھن اور کشمکش کا شکار تھی۔ ناقینی کی کیفیت سے دوچار تھی۔ واپسی پر گہری تشویش ناک وسوسوں میں گھری تھی۔

یہ لڑکی میرے ساتھ مربوط ہے۔ مجھے اس کی تحقیقات کرنی پڑے گی۔ یہ مجھ سے مدد چاہتی ہے اور کسی بڑی مشکل میں پھنسی ہوئی ہے۔

چوکی دار اپنی کیبن میں چلا گیا۔

ترانہ، آصفہ اور صابی کے جانے کے بعد دونوں چوکیداروں نے دیو پیکر کالے آہنی گیٹ کو بند کر دیا۔

کیبن میں آ کر آئی۔ جی کا فون ملایا۔ تمام حالات سے آگاہی دی۔ گھر کے چاروں طرف گشت لگا کر اپنی تسلی کی۔

پھر اپنی کیبن میں آ کر بیٹھ گئے۔ ترانہ کی پھولی ہوئی سانس ہموار ہو گئیں۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے اس واقع کو ذہن سے کھرچنے کی کوشش کی۔

پھر بستر کے سرہانے ٹیک لگاتے ہوئے بیٹھ گئی۔ پہلی فائل کھول کر پڑھنے لگی۔ چھ سال پہلے ہیڈ ماسٹر ایاز اپنے کالج سے لاپتہ ہوئے۔ آج تک ان کا سراغ نہ مل سکا۔ ترانہ نے تمام فائل بڑی توجہ سے پڑھی۔ اپنی نوٹ بک میں پوائنٹ لکھتی رہی۔ کافی دیر تک۔ یونہی فائلوں کا مطالعہ کرتی رہی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں۔ وہ ڈھلک کر بستر پر سو گئی۔ آصفہ چیک کرنے کی غرض سے ترانہ کے کمرے میں آئی۔ لائٹ آن تھی۔ ترانہ بے خبر میٹھی نیند میں ڈوبی تھی۔ آصفہ نے چادر ترانہ کے سینے تک اوڑھا دی اور پھر لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کمرے میں ملگجی اندھیرا تھا۔ چاندنی چھن چھن کر کھڑکی کے ذریعے آ رہی تھیں۔ ہنوز خامشی کا راج تھا۔ ساعتیں سرک سرک کر گزر رہی تھیں۔ فضا خاموش سانسیں لے رہی تھی۔ ترانہ کے کانوں میں دھیمی سی آواز اتری۔

''ترانہ اٹھو آؤ میرے ساتھ...''۔ ترانہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ سامنے وہی لڑکی سفید گاؤن پہنے کھڑی تھی... آج اس کا حسین چہرہ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ لمبے بال پیچھے لہرا رہے تھے۔ منہ کے خدوخال نمایاں تھے۔ لڑکی حسین تھی۔ چوبیس پچیس سال کے لگ بھگ۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کالی موٹی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی، جستجو کی تڑپ، چہرے پر کرب کے سائے تھے۔

لڑکی نے بڑھ کر ترانہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے نیچے لے گئی۔

سیڑھیاں کے سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ ترانہ کو اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ ترانہ لڑکی کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ وہ بغور دیکھنے لگی۔ جیسے لڑکی کا چہرہ اپنے دماغ کے گوشوں میں بسا لینا چاہتی ہو۔

''ترانہ مجھے انصاف چاہیئے... مجھے میرے شوہر نے قتل کیا ہے یہاں اسی سیڑھیوں پر...'' لڑکی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ترانہ غیر متوقع انکشاف سے بھونچکا گئی۔ وہ لرزہ براندام تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ خواب والی لڑکی زندہ ہے... چند لمحوں کے لئے وہ ساکت و جامد ہو گئی۔ چند لمحے توقف کے بعد مرتعش آواز میں پوچھا

''قتل کب ہوا؟''

''پانچ سال پہلے... میرے ظالم شوہر نے مجھے میری دولت کی خاطر قتل کیا لیکن میرے قتل کا انکشاف ابھی تک نہ ہو سکا میری روح بھٹک رہی ہے ابھی تک''۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' ترانہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''مرینہ''

''اور تمہارے شوہر کا نام؟'' ترانہ نے مزید سوال کیا۔

''میرے شوہر کا نام بابر ہے''۔

''مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''۔

''صرف تم میری مدد کر سکتی ہو... ترانہ میرا کیس حل کر دو''۔

''کیوں... میں کیوں؟؟'' ترانہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

''کیونکہ تم میری اپنی ہی ہو...'' یہ کہہ کر لڑکی نے ترانہ کا ہاتھ پکڑ کر نیچے سیڑھیوں سے اترنا شروع کر دیا۔

www.pakistanipoint.com

ترانہ اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگی۔ لڑکی ترانہ کا ہاتھ کھینچتے ہوئے ہال میں سے گزر کر سیڑھیوں کا نیچے کے حصے میں کھڑی ہو گئی۔

پھر اچانک ایک دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں نیچے پانچ چھ سیڑھیاں اُتر کر تہہ خانہ میں کھڑی تھیں۔ ترانہ نے دیکھا وہاں ایک بہت بڑی گول میز تھی۔ میز کے چاروں طرف کرسیاں تھیں۔ تہہ خانہ کی دیواروں سے جالے لٹک رہے تھے۔ ''ترانہ ہم سب یہاں کانفرنس کرتے ہیں... یہ ہمارا میٹنگ روم ہے''۔

''ہم سب کون؟'' ترانہ نے استفہامیہ انداز سے پوچھا

''ہم سب روحیں۔ جن کے کیس ابھی تک حل نہیں ہوئی۔ ہم بے چین بھٹک رہے ہیں''۔ ترانہ حیرت و استعجاب کے عالم میں کھڑی رہی۔ پراسرار اور ہیبت ناک سناٹا تھا۔ خاموشی اتنی گہری تھی کہ ترانہ کو اپنے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔ پھر اچانک سب پچھ دھواں کی طرح اڑ گیا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۳

ترانہ کے خوبصورت چہرے پر چند سورج کی کرنیں بے ہنگم انداز میں رقص کر رہی تھیں۔

کرنوں کی چمک نے ترانہ کی آنکھیں کھول دیں۔

وہ تو بہ شکن انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی۔قدرے فریش لگ رہی تھی۔

آصفہ اور صابی متعدد بار کمرے میں جھانک کر جائزہ لے چکیں تھیں۔دانستہ طور پر ترانہ کو سونے دیا تا کہ تھکن دور ہو جائے۔

ترانہ سرخ بلاوز اور بلیک لانگ سکرٹ پہن کر نیچے ڈائننگ روم میں آئی۔صابی نے گرم گرم چائے،انڈا اور توسٹ کا ناشتہ پیش کیا۔

ترانہ نے ناشتہ کرنا شروع کر دیا۔پھر یکدم اس کو اپنا خواب یاد آیا...مرینہ...سب سے پہلا کام...پھر مجھے پولیس اسٹیشن جانا چاہیے۔ریکارڈ چیک کرنے کے لئے۔شاید کوئی سراغ ملے۔

ترانہ نے اپنے ذھن میں آج کا پروگرام مرتب کر لیا۔

پھر یکدم سیڑھیوں کے نیچے کمرہ یاد آ گیا۔

وہ بے ساختگی سے اٹھی۔سیڑھیوں کے نیچے آن کھڑی ہوئی۔اس نے اپنے ہاتھ سے دیوار کو ٹھوکنا شروع کر دیا۔

لیکن وہ ایک جگہ ٹھوکنے سے کھوکھلا پن کی آواز آئی۔وہ ٹھٹھکی پھر بہت انہما کی سے معاینہ کیا۔یہاں دیوار کھوکھلی تھی اور لکڑی کی تھی۔

ترانہ نے بغور معاینہ کیا۔ترانہ نے جھکتے ہوئے لکڑی کو چھو کر دیکھا۔کھڑکی نما دروازہ تھا

جو کہ نارمل سائز سے چھوٹا تھا۔

ترانہ نے پیچ کس دراڑ میں ڈال کر طاقت سے باہر نکالا۔دروازہ کھل گیا۔ترانہ نے ڈرتے ڈرتے اپنا چہرہ اندر ڈال کر نظریں ادھر اُدھر ڈالیں۔تہہ خانہ گہرائی میں تھا۔خوفناک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ترانہ کچن سے ٹارچ لے کر آئی۔ٹارچ کی روشنی آہستگی سے پھیری۔

چھ سیڑھیاں اترنے کے بعد ترانہ ایک کمرے میں تھی۔کمرے کے درمیان گول میز تھی۔اس کے گرد کرسیاں تھیں۔میز پر موم بتیاں تھیں۔

ترانہ نے ان کو جلایا۔کمرہ کچھ روشن ہو گیا۔

کمرے میں ہر طرف لمبے جالے لٹک رہے تھے۔

زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔بظاہر اس تہہ خانہ کو استعمال کیے عرصہ دراز گزر گیا ہو گا شاید...

وہ ششدر کھڑی تھی۔سوچوں میں گم تھی۔خواب والی لڑکی سچی تھی...اس نے جو کہا ہو بہو اس کمرے میں وہی سین تھا۔

لڑکی ترانہ کا ہاتھ پکڑ کر خواب میں لے کر آئی تھی۔

تو...پھر...

قتل والا ذکر...کیا وہ حقیقت ہے؟ ابھی تک خواب والی لڑکی نے جو کہا بالکل سچ تھا...لیکن قتل والا قصہ ناقابلِ یقین ہے...وہ تو کہہ رہی تھی کہ اس کے شوہر نے لڑکی کو قتل کیا...اگر میں تیمور سے یہ ذکر کروں تو وہ اس قصہ کو مضحکہ خیز سمجھ کر کوئی ایکشن نہیں لے گا۔محض مزاح میں ٹال دے گا۔مجھے ذاتی طور پر مرینہ کے بارے میں تفتیش کرنا ہو گی۔آیا مرینہ کا وجود حقیقی ہے یا نہیں۔یہی میرا پہلا قدم ہو گا۔

اپنے ذھن میں تمام پروگرام مرتب کر کے ترانہ نے سکھ کی سانس لی۔تہہ خانے سے نکل کر اوپر آئی۔اپنی کار میں بیٹھ کر ہیڈ کوارٹر کی جانب مڑی۔آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوئی۔کار سے نکل کر ہیڈ کوارٹر کے مین ڈور کے ذریعے وہ خراماں خراماں قدم اٹھاتی تیمور کے آفس کی جانب چلی۔ترانہ اپنی منزل مقصود کے سامنے کھڑی تھی۔آفس کی

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

دروازے پر ہلکی سی ضرب لگائی۔ آواز آئی

"اندر آجائیے"۔

ترانہ نے دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔ سامنے تیمور اپنی تمام مردانہ خوبصورتی لیے جلوہ گر تھا۔ ترانہ کو دیکھتے ہی چہرے پر لاکھوں مسرتوں کے پھول کھل گئے۔ بے ساختہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آیئے مس ترانہ... میں آپ ہی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ ہم کو جلد اور سنجیدگی سے تمام کیسوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ کامیابی کی ڈور تو آپ کی ہاتھ میں ہے"۔ تیمور نے ہلکے تبسم کیساتھ کہا۔

ترانہ نشت پر بیٹھ گئی۔

"تھینک یو سر... میں کچھ ریکارڈز چیک کرنا چاہتی ہوں۔ آپ پرانی فائلس کہاں رکھتے ہیں"۔ ترانہ نے سوالیہ نگاہوں سے تیمور کو دیکھا۔

"کس کا ریکارڈ؟"۔

"مرینہ کا"۔

"مرینہ کون ہے؟"۔

"یہی تو سر میں جاننا چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ لڑکی گمشدگی رپورٹ میں درج ہے یا نہیں"۔

"چلئے میں آپ کے ہمراہ چلتا ہوں"۔ تیمور کرسی سے اٹھا

دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔ لمبے کوری ڈور میں چل رہے تھے۔ تیمور کا انگ انگ نشہ بھر گیا۔ وہ مسرور اور سرشار تھا۔ اس کی محبوبہ، راحتِ جان اُس کے ساتھ تھی۔ وہ کن انکھیوں سے گاہے بگاہے دیکھتا رہا۔ ترانہ یکسر تیمور کے احساسات اور محسوسات سے ناواقف تھی۔ اُس کو روایتی جذبوں کے غلام پسندی کے حامل مردوں سے نفرت تھی۔

"مس ترانہ یہاں پندرہ سال پرانے ریکارڈ رکھے جاتے ہیں۔ آپ کو تمام کیسوں کی

فائلیں مل جائیں گی۔ گمشدہ لوگوں کی فہرست سالانہ رجسٹر میں"۔ تیمور نے کشادہ آفس میں گھستے ہوئے فائلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"شکریہ سر"۔ وہ بڑی عجلت میں آگے بڑھی۔ پانچ سال والا رجسٹر کھول کر مرینہ کا نام تلاش کرنے لگی۔

لیکن ناکام رہی۔

مرینہ کا نام کسی رجسٹر میں درج نہ تھا۔ وہ انتہائی تذبذب کیفیت سے دوچار تھی۔ تمام فائلیں اُتھل پتھل کر دیں لیکن بے سود۔ انتہائی یاسیت کا سامنا کرنا پڑا۔ کلی طور پر مایوس ہو کر پلٹی اور کہا

"سر یہاں تو درج نہیں ہے... مرینہ کا نام"۔

"تو پھر نتیجہ تو یہی اخذ ہوتا ہے کہ شاید مرینہ کہیں خوش وخرم ہوگی"۔

"سر... نہیں... مرینہ کو اُس کے شوہر نے قتل کیا ہے"۔ ترانہ نے پُر اعتماد لہجے میں بتایا

تیمور ٹھٹکا اور کہا۔ "آپ وثوق سے کہہ سکتی ہیں؟"۔

"سر مجھے سو فی صد یقین ہے کہ مرینہ کو اُس کے شوہر نے قتل کیا ہے... میں یہ کیس حل کر کے رہوں گی"۔

"او کے... او کے... ہم تو ہارے... آپ جیتیں"۔ تیمور نے اپنے دل پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بڑی جلد ہار مان لیتے ہیں آپ سر"۔ ترانہ نے جھجکتے ہوئے بڑی معصومیت سے کہا۔

"کسی نے سچ کہا ہے کی صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے ہار ماننا ہی عقل مندی ہے"۔

"کونسی صورت میں سر"۔ ترانہ نے سادگی سے سوال اٹھایا۔

"جب سامنے خوبصورت لڑکی کھڑی ہو..."۔ تیمور نے مسخرانہ انداز میں کہا۔

"سر مزاح برطرف۔ سیریس بات کیجیے۔ آدمیوں کی زبان پر پرانے رٹے رٹائے جملے

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

مجھے زہر میں ڈوبے ہوئے تیر کی طرح چبھتے ہیں''۔ ترانہ کا خوبصورت چہرہ دفعتاً تلخ ہو گیا۔ آنکھوں میں غصے کی لالی چھلکنے لگی۔ تیمور دل ہی دل میں چور بن بیٹھا۔

''اچھا چھوڑو اس قصہ کو۔ آج ڈیپارٹمنٹ نے سالانہ ڈنر منعقد کیا ہے۔ آپ کو لینے آ جاؤں؟''۔

''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ میں اور آصفہ آ جائیں گے''۔

''میرے ساتھ جانے میں عذر تراشی کر رہی ہیں آپ''۔

''نہیں...ایسی کوئی بات نہیں''۔ ترانہ کی پیشانی پر بل آ گئے۔

''ٹھیک ہے''۔

دونوں کمرے سے باہر نکلے۔ تیمور اپنے آفس کی جانب چلا۔ ترانہ کے خشک اور روکھے رویہ نے فضا میں ناگواریت کے تاثر چھوڑ دیے۔

www.pakistanipoint.com

باب ۴

ترانہ نے تمام یونیورسٹیوں کو فون کر کے بابر اور مرینہ کے بارے میں پوچھا۔ جواب نفی میں تھا۔

ترانہ بہت ہی شکستہ خوردہ موڈ میں لیاقت کالج گئی۔ یہی آخری آس تھی۔ اسی کالج میں پرنسپل ایاز کام کرتے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ کالج کی بلڈنگ کے سامنے تھی۔ کار پارک کر کے استقبالیہ روم پہنچی۔ سیکرٹری سے پرنسپل کے متعلق پوچھا۔

وہ ترانہ کو ساتھ لے کر پرنسپل کے آفس آئی۔ یہ پرنسپل کا آفس تھا۔ ترانہ نے دروازے پر دستک دی۔

''آ جائیے اندر''۔ ترانہ آفس کے اندر آئی اور پرنسپل کو آداب کیا۔

''بیٹھیے مس ترانہ''۔ پرنسپل جاوید نے اشارے سے ترانہ کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ ترانہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

''سر میں پرنسپل ایاز کی گمشدگی کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں''۔

پرنسپل جاوید گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔ شاید یادداشت پر زور دے رہے تھے پھر گویا ہوئے۔

''حسب معمول پرنسپل صبح کالج آئے۔ دو بجے کے بعد لنچ کر کے وہ اپنے آفس واپس آئے۔ میں ان کا اسسٹنٹ تھا اُس زمانے میں۔ کسی کام کے بنا پر ایاز صاحب نے مجھے اپنے آفس طلب کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دروازہ کھلا تھا۔ آفس خالی تھا اور دو کرسیاں اور چھوٹی کافی ٹیبل الٹ پلٹ پڑے تھے۔ کاغذات قالین پر بکھرے پڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کمرے میں دنگا مشتی ہوئی ہو۔ میں حیرت زدہ تھا کہ پرنسپل نے مجھے بلایا اور خود غائب ہو گئے۔ حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس تفشیش کی لیے فوراً وارد ہوئی۔ انہوں نے انگلیوں کے نشانات لئے۔ کافی طویل کاروائی کی۔ پھر چلے گئے۔ اُس دن کے بعد پرنسپل ایاز کا آج تک نام و نشان نہ ملا۔ پولیس نے بھی کوئی مزید وضاحت نہ کی"۔

اچانک ترانہ کے ذھن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا۔ اُس نے سوال اٹھایا۔

"پرنسپل جاوید میں آپ کے سٹوڈنٹ کی فہرست چیک کرنا چاہتی ہوں۔ چھ سال پہلے والی لسٹ سے لے کر آج تک"۔

"ہاں ہم گزشتہ دس سال کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ چلئے میں آپ کو ریکارڈ روم میں لے چلوں"۔

پرنسپل جاوید اور ترانہ آفس سے نکل کر ریکارڈ روم میں داخل ہوئے۔ پرنسپل جاوید نے تمام پچھلے سالوں کے رجسٹر ڈھونڈھ کر ترانہ کے حوالے کیے۔

"کونسا نام دیکھنا ہے مس ترانہ؟"۔

"مرینہ اور بابر"۔

کافی دیر رجسٹر کے اوراق الٹنے پلٹنے کے بعد اچانک پرنسپل جاوید کے چہرے پر خوشی کی لہر ابھری۔

"کیا نام تھا مس ترانہ"۔

"مرینہ اور بابر"۔

"ہاں...یہ دیکھئے...وہ چھ سال پہلے یہاں پڑھتے تھے"۔ پرنسپل جاوید نے رجسٹر ترانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ترانہ نے بڑے جوشیلے انداز میں رجسٹر پکڑا۔ بغور نام پڑھا۔

"ہاں یہاں نام درج ہیں۔ آپ کے پاس چھ سال پہلے کا سٹوڈنٹ سالانہ رسالہ تو

ہوگا۔ شاید تصویریں بھی ان رسالوں میں ہوں"۔

"ہر سال سالانہ رسالہ شائع ہوتا ہے"۔ پرنسپل جاوید نے گزشتہ سالانہ رسالوں کے ڈھیر کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔

"یہ دیکھئے چھ سال پہلے والا سالانہ رسالہ"۔

ترانہ نے تقریباً سالانہ رسالہ پرنسپل جاوید کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے لے لیا۔ وہ ضبط نہ کر سکی۔ ترانہ بڑی بے تابی سے رسالے کے اوراق الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

پھر اچانک وہ تھم گئی۔

چھ سال پہلے والے تمام طالب علموں کی تصویریں نگاہوں کے سامنے تھیں۔ اپنی انگلی تیزی سے پھیرتے پھیرتے ایک لڑکی کی تصویر پر رک گئی۔ "مرینہ سہیل" لکھا تھا تصویر کے نیچے۔

ترانہ دنگ رہ گئی۔

متحیر نگاہوں سے تصویر کو تکتی رہی۔

"وہی آنکھیں وہی چہرہ اور لمبے بال۔ یہ تو خواب والی لڑکی ہے"۔ ترانہ اب اپنے خوابوں کے مفہوم کو سیریس سمجھنے لگی۔

پھر

وہ تصویروں میں "بابر" کے نام کو ڈھونڈنے لگی۔ ایک خوبصورت مردانہ تصویر کے نیچے بابر کا نام درج تھا۔

ترانہ کا چہرہ خوشی کے رنگوں میں نہایا ہوا تھا۔ اس کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔

یہ پہلی کامیابی تھی۔ کامیابی کے نشے کے گھونٹ پی رہی تھی۔

کچھ سُراغ تو مل گیا تھا۔ جس سے اب یہ کیس چل سکتا تھا۔ کم از کم مرینہ کے وجود کا انکشاف ہوا کہ مرینہ نامی کوئی لڑکی تھی۔

وہ حقیقت تھی خواب نہیں۔ بالکل میرے خوابوں والی لڑکی جس کی موٹی خوبصورت

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

آنکھوں میں ہمیشہ آنسو تیرتے رہتے۔کبیدہ خاطر رہتی۔جستجو کی تڑپ، کرب کی کسک آنکھوں میں چھلکتی رہتی۔بلکتی سسکتی مدد کی خواہستگار۔

''میں ضرور مدد کروں گی مرینہ کی۔تہہ تک پہنچوں گی آخر ماجرا کیا ہے؟۔ضرور بہت بڑا راز لڑکی کے ساتھ منسلک ہے۔اور وہ میں دریافت کر کے ہی چھوڑوں گی''۔ترانہ میں چٹان کی سی سختی آ گئی۔حتمی اور مستحکم فیصلے کے بعد سکون کا سانس لیا۔

''پرنسپل جاوید کچھ اور بتانا چاہیں گے آپ۔مثلاً ان کے دوست وغیرہ''۔ترانہ نے مزید پوچھا۔

''ہاں۔زیبا ان دونوں کی بہت قریب تھی''۔

''اور کچھ یاد ہے آپ کو''۔

''نہیں''۔پرنسپل ایاز نے گردن نفی میں ہلاتے ہوئے کہا

''شکریہ۔میں بہت مشکور ہوں۔آپ نے اپنا قیمتی وقت مجھے دیا۔یقیناً مجھے کافی مواد مل گیا ہے جس سے کیس کو بڑھایا جا سکتا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب و کامران کرے۔میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں''۔ پرنسپل جاوید نے دُعائیہ انداز میں کہا۔

''پرنسپل جاوید کیا میں یہ رسالہ لے جا سکتی ہوں۔وعدہ کرتی ہوں آپ کو لوٹا دوں گی''۔

''ضرور مس ترانہ...آپ رکھ سکتی ہیں جب تک ضرورت ہے''۔

''شکریہ اب مجھے اجازت دیجئے...''۔ترانہ کالج سے نکل کر بڑی شادماں تھی۔ کامرانی سے ہمکنار ہو کر قدم خوشی سے ڈگمگا رہے تھے۔چلو مجھے ایک پوائنٹ تو ملا شروعات کے لیے۔اب میں اپنا کام شروع کر سکتی ہوں۔

باب ۵

گرمیوں کی سہہ پہر تھی۔

سورج آسمان پر بیٹھا نیچے زمین پر آگ برسا رہا تھا۔گرمی کی شدت کم نہ ہو رہی تھی۔

گھر جاتے ہوئے ترانہ کو یک دم یاد آیا کہ سات بجے ڈیپارٹمنٹ کا سالانہ ڈنر اٹینڈ کرنا تھا۔

سڑک پر کار پھسلتی ہوئی چل رہی تھی۔کچھ دیر بعد گھر پہنچی۔چوکی دار نے گیٹ کھلا۔ترانہ اندر آئی۔ڈرائنگ روم میں ٹانگیں پسار کر بیٹھ گئی۔

آصفہ کمرے داخل ہوئی۔ترانہ کو دیکھتے ہی کہا۔

''دو تین بار تیمور صاحب فون کر چکے ہیں۔پلیز آپ ان کو فوراً فون کر دیں۔آصفہ فون ترانہ کے پاس لے کر آئی''۔ترانہ نے تیمور کو فون کیا۔

''مس ترانہ آپ کہاں غائب تھیں سارا دن۔میں بہت متفکر رہا''۔تیمور کی آواز میں ناراضگی کا عنصر نمایاں تھا۔

''میں لیاقت کالج گئی تھی۔پرنسپل ایاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے''۔

''مجھے بتا کر جاتی۔میں بھی ساتھ ہو لیتا''۔تیمور کی آواز میں مسلسل شکایت تھی۔

''سوری...سر...لیکن ذرا دل تھام کر سنیئے''

''دل تھام کر تو...کھڑے ہیں راہوں میں ہم''۔

''سر پلیز سیریس ہو جائیے۔مجھے ذومعنی باتوں سے نفرت ہے''۔

''سوری۔آگے بتاؤ کیا ہوا؟''۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"وہاں مجھے مرینہ اور بابر کے بارے میں کافی مواد ملا"۔ ترانہ خوشی میں جھولتی ہوئے بولی۔

"وہ... کیسے؟"۔

"سالانہ رسالہ میں دونوں کی تصاویر درج ہیں اور ان کے ایڈریس بھی"۔

"آپ مبارک باد کی مستحق ہیں ترانہ"۔ آج بالآخر تیمور نے مس ڈراپ کر ہی دیا۔ اس کا لہجہ انتہائی ملائمت اور اپنایت سے بھرپور تھا۔

"شکریہ۔ میں سات بجے تک پارٹی میں پہنچ رہی ہوں"۔ یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔

"صابی میری ہلکی آسمانی ساڑھی اور بلاؤز استری کر دو۔ میچنگ جیولری نکال کر رکھ دو"۔

"بی بی جی میں نے تو تمام کپڑے استری کر کے ٹانگ دیئے ہیں الماری میں"۔

"اچھا۔ تم تو بڑی تیز نکلی صابی"۔

"شکریہ بی بی"۔

"آصفہ میرے لئے گرما گرم کافی لے کر آؤ"۔

آصفہ دو کپ کافی لے کر آئی۔ صوفے پر بیٹھ کر دونوں چسکیاں لے کر پینے لگیں۔ کلاک نے چھ کا گھنٹہ بجایا۔ ترانہ اور آصفہ تیار ہونے کے لئے اوپر چلی گئیں۔ آصفہ گہرے سبز رنگ کا سوٹ پہن کر ترانہ کے کمرے میں گئی۔

ترانہ نے آسمانی ساڑھی زیب تن کی۔ میک اپ لگانے میں مصروف تھی۔

بالوں کو سامنے سے پھلایا کر پن لگا دیں۔ پیچھے لمبے کالے بالوں کو گھنگھریالے کر کے چھوڑ دیئے۔ آسمانی جیولری پہن لی۔

وہ آج دلفریب خوبصورت جل پری لگ رہی تھی۔ کسی اور دنیا سے آئی ہوئی حسینہ مہ جبینہ۔ خلاف معمول میک اپ گہرا تھا۔

گہری گلابی لپ اسٹک اور آنکھوں پر آئی شاڈو لگایا۔

"ترانہ اپنی نظر اتار لو"۔ آصفہ نے آگے بڑھ کر ترانہ کے بائیں گال پر کالا تل لگا دیا۔

"ارے بھئی کیا کر رہی ہو؟... مجھے کسی کی نظر وظر نہیں لگتی۔ میں کافی سخت ہوں"۔

"سخت خول اپنے اوپر چڑھایا ہوا ہے۔ لیکن اندر سے انتہائی حساس اور نرم دل"۔ آصفہ نے ترانہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا

"تو چند ہی دنوں میں تم نے مجھے پہچان لیا"۔

"جی ہاں ترانہ"۔

"آصفہ تمہارے یہاں آنے سے میری زندگی کی تنہایاں قدرے کم ہو گئیں ہیں۔ تمہارا ساتھ مجھے پُرخار پگڈنڈیوں پر چلنے کے بعد سایہ دار درخت کے مانند لگتا ہے۔ تمہاری دوستی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے"

"میں تم کو زندگی کے کسی موڑ پر بھی تنہائی کا شکار نہ بننے دوں گی ترانہ ڈیئر"۔

"ہوں"۔ ترانہ ہلکے سے ہنکاری۔

"اسی خوشی میں آج میں کار چلاؤں گی"۔

دونوں اچھلتی کودتی کار میں بیٹھ گئیں۔ آج تمام شہروں کے پولیس افسران کا سالانہ ڈنر تھا۔ وہ اپنی فیملی سمیت مدعو تھے۔

"یقیناً تمام کنوارے افسران تم سے ملنا چاہیں گے۔ ترانہ تم کو اس قدر خوبصورت لباس اور گہرا میک اپ نہیں کرنا چاہیے تھا"۔

"کیا خرافات بک رہی ہو؟ مجھے کسی کو امپرس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی باور کرانے کی ضرورت ہے کہ میں کسی بھی آدمی کو اپنے حسن سے پاگل بنا سکتی ہوں۔ لیکن مجھے دنیا کے کسی مرد میں دلچسپی نہیں ہے۔ محبت کے جذبوں اور محسوسات سے یکسر عاری ہوں"۔

"تیمور کیسا لگتا ہے تمہیں؟"۔ آصفہ نے اچانک سوال کر ڈالا۔

ترانہ دم بخود ہو گئی وہ غیر متوقع سوال کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔

کچھ توقف کے بعد نارمل ہو گئی۔

"وہ بھی میرے لیے عام آدمی کی حیثیت رکھتا ہے ہمارے تعلقات آفیسر اور ماتحت کی

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

حد تک محدود رہیں گے...بس..اس سے آگے نہیں...کبھی بھی نہیں''۔

''تیمور تمہارا تعارف سب سے کروائیں گے''۔

''او کے۔میں آنے والی ہر افتاد کو با آسانی نمٹ سکتی ہوں''۔ترانہ نے اتراتے ہوئے ترچھی نظروں سے آصفہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

چند منٹوں بعد وہ بہت ہی خوبصورت بلڈنگ میں داخل ہو ہیں۔بلڈنگ کے چاروں اطراف گھاس کے لان تھے۔رنگ برنگے پھول بہار کی نشاندہی کر رہے تھے۔لمبی لمبی بیلیں دیواروں پر چڑھادی گئیں۔محرابوں میں خوبصورت باسکٹ سے پھول لٹک رہے تھے۔

موتیا،رات کی رانی چنبیلی جوہی کی خوشبو سے فضا معطر تھی۔

شریر ہوا کے جھونکے تمام فضا کو سہانا بنا رہے تھے۔

تیمور بڑی بے تابی سے ترانہ کا انتظار کر رہا تھا۔وہ ہلکے ہلکے انداز میں ٹہل رہا تھا۔

اچانک کار پر نظر پڑی تو باہر گیا۔

آصفہ نے کار پارک کی۔تیمور نے بڑی تیزی سے ترانہ کے لیے دروازہ کھولا۔

ترانہ آہستگی سے باہر نکلی۔

تیمور نے ازراہِ مدد ہاتھ بڑھایا۔ترانہ نے تیمور کا ہاتھ تھامنے سے گریز کیا۔

تیمور اپنا منہ لے کر رہ گیا۔ندامتانہ انداز میں ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

ترانہ کا انوکھا رویہ سمجھنے سے قاصر تھا۔''وہ مجھ سے کیوں خائف ہے؟۔کیا وجہ ہے؟ میرے محسوسات،احساسات اور پیار بھرے سندیسوں کو یکسر نظر انداز کر دیتی ہے''۔تیمور دل میں کچوکے محسوس کر رہا تھا۔تیمور کو ترانہ کا دلکش حسن اب مالِ مسروقہ لگا۔

''چلو ترانہ تمہیں سب سے ملواؤں...''تیمور نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا مین ہال میں آگئے۔

ملک کے تمام شہروں سے سب مہمان اپنی فیملی سمیت مدعو تھے۔جیسے ہی ترانہ دروازے کے اندر آئی۔تمام مردوں کی نظریں ترانہ پر مرکوز ہو گئیں۔

''ہلو تیمور...کیا شغل ہے؟''دانیال آگے بڑھا اور تیمور سے مصافحہ کیا۔لیکن آنکھیں ترانہ پر ٹپک گئیں۔

ترانہ نے دانیال کی آنکھیں میں دوستی کی جھلک دیکھی۔دانیال دوسرے مردوں سے منفرد لگا۔تیمور نے تعارف کرواتے ہوئے بولا۔

''یہ مس ترانہ ہے ہمارے اسپشل مشن پر ماموری گئیں ہیں...یہ آصفہ...ان کی ساتھی۔ اور یہ دانیال لاہور کے آئی جی...''۔ترانہ اور آصفہ نے دھیمی آواز میں آداب کہا

''سنا ہے ترانہ سے کوئی اپنا بھید نہیں چھپا سکتا۔سب کچھ اگلوا لیتی ہیں''۔دانیال نے مسخرانہ انداز میں نشانہ داغا۔

''یعنی آپ کے بھید بھی ہیں؟''۔ترانہ دلفریب مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے بولی۔

دانیال نے معنی خیز نگاہوں سے دوسری میز کی جانب کسی کو دیکھا۔چہرہ کھل اٹھا۔پھر گویا ہوا۔

''مس ترانہ اس جگہ کی خاصیت جانتی ہیں آپ؟''۔

''نہیں..کیا؟''۔ترانہ نے استفہامیہ انداز سے آنکھیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

''یہاں کے گارڈن میں گلاب کے پھول بہت ہی خوشنما ہیں۔چلیے آپ کو دکھاؤں''۔

دونوں باہر آگئے۔تیمور دور کھڑا یہ سب نظارہ دیکھ رہا تھا۔چہرے پر ناگواری کے سائے تھے۔ چبوتروں کے اردگرد محرابوں پر خوبصورت پھول ہلکورے لے رہے تھے۔معطر ہوا ءِ فضا کو مہکا رہی تھیں۔

''کتنا نشہ پرور ہے آج کا موسم!''۔دانیال بولا

''اور خوبصورت گلاب کے پھولوں کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا ہے''۔ترانہ نے اپنے خوبصورت سراپے کو لمبے ستون کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''لاہور اچھا لگتا ہے یا کراچی''۔اچانک ترانہ نے عجیب سا سوال کر ڈالا اور سوالیہ نگاہوں سے دانیال کو دیکھا۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"دونوں شہر یکساں اہمیت کے حامل ہیں"۔

"کیوں؟؟"۔

"لاہور میرا پیدائشی شہر ہے اور کراچی میں ایک شخصیت بستی ہے جو میرے دل کے قریب ہے"۔ دانیال کے ذہن میں اپنی محبوبہ کی تصویر کوندی۔ یونیورسٹی کے بعد آج اس پارٹی میں جلوہ گر تھی۔ دانیال نے دائیں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہو...تو یہ بات ہے۔دل کے قریب والی شخصیت ...آج آپ کو یہاں نظر آ گئی ہے۔ میں نے ٹھیک کہا نا؟"۔ ترانہ نے دانیال کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"آپ سے تو کوئی چیز مخفی رکھنا مشن ناممکن ہے"۔ دانیال نے جھینپتے ہوئے کہا کیونکہ اس کی دلی کیفیت ترانہ جانچ چکی تھی۔

"بہت خوش نصیب ہیں آپ..."۔ ترانہ نے اپنی خوبصورت آنکھوں میں اپنائیت بھرتے ہوئے کہا۔ آہستہ آہستہ مدھر آواز میں بولتی رہی۔

میرے ذہن پر تو واحد ایک ہی سلگتا ہوا سوال جنم لے رہا ہے کہ وہ خوش قسمت کون ہے جس کو آپ نے چنا ہے ہمسفر"۔ دانیال نے سوال کیا۔

"کوئی بھی نہیں۔ زندگی کے سفر میں اکیلی ہوں ابھی تک..."۔ ترانہ کی آنکھوں میں اداسی اُتر آئی۔

"اب اکیلی نہیں ہیں آپ ..میں ساتھ ہوں آپ کے...دوست کی حیثیت سے...
'دانیال نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

"تھینک یو..."۔ ترانہ سرسرائی

تھوڑی دور تیمور کھڑا سب کچھ سن رہا تھا۔ تیمور کے دل سے تمام شبہات، وسوسے اور اندیشے دور ہو گئے۔

ترانہ نے کوئی ہم سفر نہیں چنا۔ یہ سن کر تیمور کو تسلی و تشفی ہوئی۔ پاس آتے ہوئے کہا

"چلو سب اندر کھانا لگ چکا ہے"۔ تیمور نے کہا۔ سب اندر آ گئے۔

"ترانہ چلو میں تمہیں امی سے ملواؤں"۔ تیمور ترانہ کو لے کر ایک ٹیبل پر رکا۔ وہاں تیمور کی والدہ اور دو خوبصورت لڑکیاں بیٹھی تھیں۔

"امی یہ ترانہ ہے"۔ تیمور نے تعارف کروایا

"اچھا یہ ترانہ ہے...جس کا ذکر ہر وقت کرتے ہو"۔ امی نے اپنا سر کسی جذبے کے تحت ہلاتے ہوئے کہا

"یہ میرے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ ان کو بطور خاص یہاں بلایا گیا ہے۔ ہمارے ملک کی سب سے کامیاب سراغ رساں ہے۔ جو
کیس ہم حل نہ کر سکے وہ کام ترانہ سرانجام دینے کے لئے بلائی گئیں ہیں"۔

"یہ میری چھوٹی بہن ہے نادیہ..."۔ اور پھر یکدم ٹھٹک کر چپ ہو گیا۔

"اور وہ کون ہے؟..."۔ ترانہ نے دوسری لڑکی کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ تیمور نے خاموشی سادھ لی۔

تیمور کی والدہ بولیں۔"یہ تیمور کی منگیتر شاہانہ...میری بھانجی"۔

ترانہ ششدر ہو گئی۔ تیمور نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔ قریب کھڑے دانیال کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔

"دراصل یہ بچپن سے میرے نام سے منسوب کر دی گئیں ہیں۔ لیکن اعلانیہ طور پر کوئی رسم نہیں ہوئی"۔ تیمور کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ تیمور نے ترانہ کی طرف دیکھا یہاں کسی قسم کا ردِ عمل کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ تیمور نے اشارے سے بہرے کو بلایا اور کھانا آرڈر کیا۔ اسی دوران ترانہ، نادیہ اور شاہانہ سے کافی مانوس ہو گئی۔ نقرئی آوازوں اور ہنسی مذاق کے طوفان اٹھنے لگے۔

"بھائی جان آپ کی پارٹنر تو بہت دلچسپ شخصیت کی مالک ہیں"۔ نادیہ نے اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا۔ تیمور کی آنکھوں میں ارمانوں کے دیپ جل اٹھے۔

"یہ کراٹی کی ایکسپرٹ بھی ہیں۔ ترانہ کے نرم و نازک بدن پر نہ جاؤ نادیہ..."۔ آصفہ نے

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

اپنی ٹانگ اڑائی جواب تک خاموش تھی۔

''اوں...مجھے بھی کراٹی سکھادیں ترانہ پلیز...'' نادیہ بچگانہ انداز میں منت سماجت کرنے لگی۔

''نادیہ ترانہ بہت مصروف ہیں..نہ جانے کب وقت ملے''۔تیمور نے اپنی ہانکی۔

کھانا انتہائی لذیذ تھا۔چمچ کانٹوں کے شور کے ساتھ ساتھ ہلکا پھلکا مزاح کا دور چل رہا تھا۔دانیال بھی اسی ٹیبل پر ترانہ کے دائیں طرف بیٹھ گیا۔بائیں طرف سمت تیمور تھا۔خشمگین نگاہوں سے دانیال اور ترانہ کی گفتگو پر کان رکھے ہوئے تھا۔سامنے بیٹھی شاہانہ بغور دانیال کی نقل وحرکت دیکھتی رہی۔معنی خیز انداز میں مسکراتی رہی۔

''انشااللہ کسی سہانی شام کو میں آپ کے گھر ضرور آؤں گا...''۔دانیال نے دلفریب مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے شاہانہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی سے کہا۔شاہانہ کا چہرہ گلنار ہو گیا۔حیا آلود لہریں چہرے پر ابھریں۔

اسی دوران تیمور نے ٹیبل کے نیچے اپنا ہاتھ سے ترانہ کا دایاں ہاتھ مضبوطی سے پکڑلیا۔

ترانہ کو جیسے کسی کرنٹ نے چھولیا ہو۔وہ اچانک اچھلی اور منہ سے بے ساختہ 'اُف' نکل گیا۔

ترانہ نے تیکھے تیوروں سے تپتے ہوئے تیمور کو دیکھا۔

''کیا بات ہے بیٹی...''۔تیمور کی والدہ پریشان ہو گئیں۔

''ہاں ترانہ...ذرا امی کو بتاؤ کیا بات ہے؟''۔تیمور نے شرارت بھری نظروں سے ترانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ترانہ کا تبسم رخصت ہو چکا تھا۔

تیمور کی غیر متوقع حرکت پر بہت غصہ آیا۔اس نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑالیا۔

چند سیکنڈ کے لیے تیمور کے ہاتھوں کی حرارت ترانہ میں منتقل ہوئی۔ترانہ نے اپنے حدت بھرے بدن میں سنسنی خیز لہروں کو محسوس کیا۔

ترانہ نے اپنے ذھن سے تمام سنسنی خیز محسوسات کھرچ دیے۔وہ اپنی ہی نظروں میں

مجرم بن بیٹھی۔میں نے تو بہت پہلے سے ایسے جذبوں کو قتل کر دیا تھا۔وہ گہری سوچوں میں غلطاں تھی۔دانیال کی آواز سے وہ اپنے خیالوں کی اتھاہ گہرائیوں کے حصار سے نکلی

''ترانہ،آصفہ چلیئے۔میں آپ کو کچھ اہم لوگوں سے ملاؤں''۔دانیال بولے

''چلیۓ..''۔ترانہ اور آصفہ یک مشت کھڑی ہو گئیں۔دانیال کے ہمراہ ہال کے دوسرے کنارے چلیں گئیں۔

ترانہ تمام لوگوں سے خوشدلی سے ملتی رہی۔گاہے بگاہے اس کی نظریں تیمور کی نگاہوں سے تصادم ہوتی رہیں۔

آدھے گھنٹے بعد تیمور ان کی طرف آیا اور کہا۔

''ترانہ فون آیا ہے فوراً ہمیں آفس بلایا ہے۔ایک ضروری اطلاع ملی ہے''۔

پھر آصفہ کی طرف مڑ کر کہا''آپ ترانہ کی کار لے جائیں۔میں ترانہ کو گھر ڈراپ کر دوں گا''۔

پھر جلدی سے باہر نکل آیا۔اپنی کار کا دروازہ کھول کر ترانہ کو فرنٹ سیٹ میں بٹھایا۔پھر بڑی عجلت سے ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کار کی یکدم چرچراہٹ سے فضا گونج گئی۔تیمور کا چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

''کیا بات ہے اتنا سیریس چہرہ کیوں بنا رکھا ہے؟''۔

''بھئی بات ہی اتنی گمبھیر ہے''۔

''بتایئے مجھے نا''۔

''جلد ہی تم کو پتہ چل جائے گا''۔

ترانہ نے کار کے شیشے سے باہر دیکھا۔سڑک غیر مانوس لگی...''یہ تو آفس کا راستہ نہیں ہے۔آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟''۔

''تھوڑی دور اور...بس''۔

پھر ایک چھوٹا سا کاٹج نما بنگلہ نظر آیا۔تیمور گاڑی اندر لے کر آیا۔گھر کے سامنے کار کو

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

پارک کیا۔

"چلو اندر جلدی سے"۔ تیمور بڑے متین انداز سے بولا۔

ترانہ چپ چاپ گھر کے اندر آ گئی۔

"بتایئے۔ بات کیا ہے؟"

"بات یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ تنہائی میں ملنا چاہتا تھا...بس اور کچھ نہیں"۔ تیمور نے اچانک زوردار قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔

"آپ مجھے کس لیے یہاں لائے ہیں...مجھے پریشان کرنے کے لئے...میں سمجھی شاید کوئی اہم مشن ہے۔ ذمہ دار آفیسر سے ایسی معیوب اور نازیبا حرکتیں غیر متوقع ہیں"۔ ترانہ انتہائی مایوسانہ لہجے میں بولی۔

"بیٹھو تو سہی...صوفے پر..."۔ تیمور نے پُراصرار انداز میں کہا۔

ترانہ کے ریمارکس یکسر نظرانداز دیے۔ لیکن ترانہ بادل ناخواستہ بیٹھ گئی۔ تیمور اُس کے پہلو میں بیٹھ سے گیا۔ ترانہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ترانہ نے اپنا ہاتھ عجلت سے چھڑاتے ہوئے کہا

"سر...آپ کی کیسے جرأت ہوئی میرا ہاتھ تھامنے کی...لڑکی کو تنہا دیکھ کر آپ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں"۔ ترانہ دھاڑی۔

چہرہ تپ گیا اور تمتما اٹھا۔

"ترانہ میں تم کو چاہتا ہوں۔" تیمور کے لہجے میں گھمبیر پیار کی چاشنی تھی۔

"آپ جو سوچ رہے ہیں وہ کبھی ممکن نہیں۔ میرا مدبرانہ مشورہ یہی ہے کہ ہمارے تعلقات آفیسر اور ماتحت تک ہی محدود رہنے چاہیے"۔ ترانہ کا لہجہ سنگین خشمگین تھیں۔

"ترانہ آپ کا رویہ میرے سمجھ سے بالاتر ہے۔ عادات واطوار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے سینے میں کوئی راز دفن ہے۔" تیمور نے تشویش ناک انداز میں سوال اٹھایا

www.pakistanipoint.com

تیمور نے اپنا سر ترانہ کے کندھوں پر رکھ دیا۔

تیمور کی یہ حرکت ترانہ کے لیے غیر متوقع تھی۔

وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور یکدم کھڑی ہو گئی۔

اس کا چہرہ غصے سے تپ گیا۔ ناگوار تاثرات تھے۔ غصے سے وہ شیرنی بن گئی تھی۔

اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک زناٹے دار چانٹا تیمور کے گال پر رسید کر دیا۔

"کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے تیمور۔ پہلے دھوکے سے مجھ کو یہاں لے آئے۔ اب میرے ساتھ نازیبا حرکتیں کر رہے ہو۔ میں قطعی اس قسم کی حرکتیں برداشت نہیں کرتی"۔ وہ ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔

"اصل سے خطا نہیں۔ میرا پیار پرتقدس اور پاکیزہ ہے۔ پیار کرنا گناہ تو نہیں۔ میں شریف خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ تمہاری عزت میری عزت ہے"۔ تیمور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ ندامت سے اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو گئیں۔ وہ شرمسار ہو گیا۔

"مجھے کچھ اور نہیں سننا۔ بس مجھے گھر ڈراپ کر دیجیے۔ ترانہ غصے میں پھنکاری۔

"اچھا اب غصہ تھوک دو۔ آئی ایم سوری"۔

"چلو کار میں بیٹھو"۔ تیمور کی آواز میں بلا کی مایوسی اور درد تھا۔ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

ترانہ نے چپ سادھ لی اور منہ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

واپسی پر تیمور بالکل خاموش رہا۔ اس میں ہمت نہ تھی کہ وہ دوبارہ ایک نظر بھی اٹھا کر ترانہ پر ڈالے۔

وہ حیرتوں اور پریشانیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ رنج والم چہرے سے ٹپک رہا تھا۔ گھر آ گیا۔ چوکی دار نے آہنی گیٹ کھولا۔ تیمور تیزے سے کار اندر لے آیا۔ پورچ میں کار روکی۔ ترانہ عجلت میں کار سے نکلی۔ آصفہ دروازے پر ترانہ کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں گھر کے اندر داخل ہوئیں۔ دروازہ بند کر دیا۔ ترانہ کے کانوں میں تیمور کی کار کی چرچراہٹ کی گونج دیر تک اُترتی رہی۔

"کیا بات ہے موڈ کیوں آف ہے؟" آصفہ نے سوال اٹھایا۔ وہ ماحول میں تناؤ محسوس

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کر چکی تھی۔

''کچھ نہیں بس تھک گئی ہوں''۔ ترانہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ سیدھی اپنے بیڈ روم میں گئی اور دھڑام سے بستر پر بے دم ہو کر گر پڑی۔

''نہ جانے کیوں پچھتاوے کے بچھو اس کے تن من کو ڈسنے لگے۔ وہ اپنے رویے پر پشیمان تھی۔ مجھے تیمور کی ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چھوٹی سی غلطی پر میں نے ہزار صلواۃ سنا دیں۔ بہت برا کیا''۔ ترانہ اب پیچ و خم کھا رہی تھی۔ لیکن کیا کرتی۔ انا کا سوال تھا اب۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ پچھتاوے کا زہر رگ و ریشہ میں سرایت کرنے لگا۔ بہر حال تھوڑے عرصے تک تیمور کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ وہ اسی ادھیڑ بُن میں تھی۔ فون کریڈل پر چیخا۔

''ہلو... ہاں دانیال کیسے مزاج ہیں؟ کیا حال چال ہے؟''

''چال چلن تو فرسٹ کلاس ہے لیکن حال پتلا ہے۔''

''کیوں خیریت''۔

''کسی کو مس کر رہا ہوں''۔

''کس کو؟''

''قبل از وقت انکشاف خطرے سے خالی نہیں''۔ دانیال نے بڑے پُر اسرار لہجے میں کہا۔

'بھید تو آپ نے مجھ پر عیاں کر دیا تھا پارٹی والے دن۔ یاد ہے نا میں سب کچھ اگلوا لیتی ہوں''۔

''ہاں مجھے یاد ہے لیکن آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی''۔

''مدد تو میں ضرور کروں گی لیکن انتظار کرنا ہوگا۔ وہ کسی اور کی منگ ہے''۔

''یہی تو مسئلہ ہے۔ میرا کیا ہوگا ترانہ...''۔ دانیال نے ایک لمبی سرد آہ کھینچی۔

''دوست اتنی جلدی ہمت ہار گئے۔ ہمالیہ کی چوٹی کو سَر کرنا آسان ہے۔ دل سَر کرنا زیادہ کٹھن ہے''۔ ترانہ نے فلاسفی جھاڑتے ہوئے کہا

دانیال بولا ''امی آپ کو لاہور مدعو کرنا چاہ رہی ہیں''۔

''میرا اسلام کہہ دینا خالہ جان کو۔ میں بہت مصروف ہوں۔ بے شمار کیس بیچ میں لٹکے ہوئے ہیں۔'' ترانہ نے جھلاتے ہوئے کہا۔

''میں اگلے ہفتے کراچی آ رہا ہوں۔ ملنے کے لیے آؤں گا''۔

''ضرور... فون کر کے آنا''۔

''میرے بارے میں ضرور سوچنا''۔

''کوشش کروں گی...''۔ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

'کیا کر رہی ہو اس وقت؟'۔

''فائلوں میں سر جھونک رہی ہوں''۔

''کچھ لیڈ ملی؟''۔

''ہاں کل میں سیٹھ جمشید کی اہلیہ سے ملنے جاؤں گی۔ اب مجھے اجازت دو دانیال۔ شب بخیر''۔ ترانہ نے فون رکھ دیا۔

دانیال نے دوستی کا واسطہ دے کر مدد مانگی تھی۔ وہ قبل از وقت اژدھے کے منہ پاؤں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ جانتی تھی کچھ کہنے سے بہت بڑا طوفان اٹھ سکتا ہے۔ پھر اچانک تیمور کا چہرہ خیالوں میں بجلی کی طرح کوندا۔ وہ سمجھتی تھی اپنے حسن کے جادو کو۔ وہ جانتی تھی جہاں بھی جاتی۔ تمام مرد ترانہ کی قربت کے خواہاں ہو جاتے۔ لیکن ترانہ کے دل کی نبض ابھی تک کسی کے لیے نہ پھڑکی۔ دل کی محسوساتی جذبوں سے ناواقف تھی۔ یا پھر دانستہ نظر انداز کر جاتی۔ وہ محبت کے جذبے کو ایک فالتو چیز جانتی۔ اس لیے حتمی فیصلہ کر بیٹھی تھی کہ اپنی زندگی کو اس جذبے سے عاری رکھے گی۔

دس سال کی عمر میں پتہ چلا کہ وہ مسٹر اور مسز احمد کی لے پالک اولاد تھی۔ سیکنڈ ہی میں ماں باپ ترانہ کے لیے غیر ہو گئے۔ ایک ہی ساعت میں بساط الٹ گئی۔ یہ انکشاف ترانہ کے دل میں ناسور بن کر رہنے لگا۔ اکثر اپنی اصلی والدہ کے متعلق سوچتی رہتی کہ کس قسم کی عورت تھی۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

جس نے اپنی جگر کے گوشے کو دوسروں کے حوالے کر دیا۔ آخر اتنی کیا مجبوری تھی؟۔ ماں کے خلاف نفرتوں کے سمندر اُبل رہے تھے۔ جب سے جوان ہوئی دل میں تہیہ کر لیا تھا۔ کہ وہ شادی بیاہ کے چکروں میں نہیں پڑے گی۔ تنہایاں اس کے وجود میں سرایت کر چکیں تھیں۔ وہ اکیلے پن سے بالکل بور اور اکتاتی نہ تھی۔

آصفہ گرم دودھ لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ آصفہ کے آنے سے ترانہ کی زندگی میں بہار آ گئی تھی۔ وہ اب قدرے کم اکیلا پن محسوس کرتی کیونکہ رازدان اور ساتھی مل گیا۔ زندگی نارمل ڈگر پر چل پڑی۔ ذھن کے پردوں پر پھر تیمور کا خیال بجلی کی طرح کوندا۔ یہ سب کچھ تیمور کی عنایت تھی۔ اس نے ہی تو آرام نوکر چاکر مہیا کیے تھے۔

ترانہ کا دل بے اختیار تیمور کی طرفداری کرنے لگا۔ سینہ ہمدردی میں پھٹا جا رہا تھا۔ ''یہ کیسا جذبہ ہے۔ .میری محسوساتی اور تخلیاتی دنیا میں یہ کیوں ڈیرا جما رہا ہے۔ مجھے اپنے اوپر فولادی خول چڑھانا ہوگا۔ مجھے ہمت و استقلال کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ کہیں میرے دل کی بدلتی ہوئی کیفیت تیمور پر نہ آشکارہ ہو جائے۔ نہیں...تیمور کبھی نہ جان پائے گا''۔

آصفہ کی آواز سن کر وہ اپنے خیالوں کے حصار سے نکلی۔ جو کہ متعدد بار ترانہ کا نام پکار چکی تھی۔ ترانہ چونکی اور اپنی افسردہ چشم اٹھا کر بولی۔

''آصفہ کل کی تیاری ہوگئی۔ دس بجے گھر سے نکلنا ہے''۔

''ہاں ہوگئی...ایک بات پوچھوں ترانہ...''۔

''ہاں پوچھو''۔

''تیمور سے لڑائی کر کے آئی ہو نا''۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''۔

''تمہارا اترا ہوا چہرہ داستان بتا رہا ہے۔ تیمور سے اچھا انسان کہاں ملے گا تمہیں۔ یہ چانس ضائع نہ کرنا''۔ آصفہ نے ترانہ کو باور کرایا۔

''اچھا تو بہت پیار چھلک رہا ہے تیمور کے لیے''۔ ترانہ بھُنا کر بولی۔

www.pakistanipoint.com

''ہر لڑکی کا دل تیمور کے لیے دھڑکے۔ یہ عین ممکن ہے۔ اتنا خوبرو مردانیت کا پیکر۔ جہاں جاتا ہے لڑکیوں کا جمگھٹا ہو جاتا ہے''۔

''تو تم بھی اس کے چرنوں میں دل پھینک کر قسمت آزمائی کر لو۔ انتظار کس کا ہے''۔ ترانہ نے طنزیہ تلقین کی۔

''میں بھی انسان ہوں۔ دل میں حسرتوں اور ارمان کا گودام بھرا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت شناس ہوں۔ جانتی ہوں تمہاری طلسماتی شخصیت کے مدِمقابل میرا کوئی چانس نہیں''۔ آصفہ نے بناوٹی افسردگی کو اپنے اوپر مسلط کرتے ہوئے کہا

''تم اچھی طرح سے جانتی ہو مجھے مردوں میں کوئی دلچسپی نہیں''۔ ترانہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''ترانہ تم انسان نہیں پتھر ہو۔ پتہ نہیں تم کیا چاہتی ہو؟ اپنا رویہ بدلو۔ یہ بے اعتنائی اور رکھائی...تا عمر اکیلی رہ جاؤ گی''۔

ترانہ دل مسوس کر رہ گئی۔

''میں مزید اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔ جاؤ آصفہ سو جاؤ''۔ آصفہ چلی گئی۔

ترانہ اپنا لیمپ آف کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ طبیعت کافی مضمحل تھی۔

نیند تو کوسوں دور تھی۔

وہ ماضی کی دبیز گہرائیوں میں پھسلتی گئی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ٦

تین سال پہلے کی باتیں گولوں کی طرح بازگشت کرنے لگیں۔

ترانہ صبح سے اپنے کاموں میں مصروف تھی۔ بی۔اے بڑی اچھی پوزیشن سے پاس کر چکی تھی۔

ایم۔اے انگلش کرنے کا ارادہ تھا۔شنیلا کا فون آیا۔اُس کے مطابق ایم۔اے کے داخلہ کا آخری دن تھا۔

آفس پانچ بجے بند ہو جاتا ہے۔اس وقت چار بج رہے تھے۔ترانہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔غفلت کی بنا پر دن کافی گزر گئے۔

گرمی عروج پر تھی۔سورج آسمان سے آگ برسا رہا تھا۔وہ تیزی سے اپنے سرٹیفکیٹ اور پیسے لے کر بھاگی۔

اپنی سوزکی لے کر باہر نکلی۔کالج کی طرف کار موڑی۔کالج میں کار پارک کر کے تیز تیز قدم اٹھاتی کوری ڈور میں گھسی۔

عجلت میں ترانہ کی ٹکر کسی لڑکے سے ہوگئی۔

تصادم بڑا زبردست تھا۔

وہ پیچھے گر پڑی۔

ہینڈ بیگ کا کچرا سب باہر آن پڑا۔

''محترمہ تیز گام کی طرح چل رہی ہیں آپ...دیکھ کر چلیں''۔لڑکے نے نہایت مہذبانہ انداز سے آہستگی سے کہا۔

''سوری۔میں نے پانچ بجے سے پہلے داخلہ کی فیس جمع کروانی ہے۔آپ کو آتے نہیں دیکھا''۔

''میری فکر نہ کریں...آپ کو چوٹ تو نہیں آئی''۔

''بچ گئی ہوں...بال بال''۔

''تو پھر میرا ہاتھ تھامیے اور اٹھیے..''۔لڑکے نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ترانہ نے ہاتھ تھام لیا پھر لڑکے نے جھکتے ہوئے ترانہ کو کھینچا۔

ترانہ اب کھڑی تھی۔

''میں نے بھی اپنا داخلہ کروانا ہے۔چلیے دونوں اکٹھے چلتے ہیں''۔

دونوں آفس اکٹھے آئے۔داخلے کے فارم بھرے اور فیس دے کر فارغ ہو گئے۔یہ سب کرنے کے بعد ترانہ کے چہرے پر سکون و آسودگی کی لہر ابھری۔

''میرا نام ارمان ہے...اور آپ کا؟''

''تیز گام ایکسپریس''۔ترانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دوبارہ تصادم خطرے سے خالی نہ ہوگا''۔

''یہی سمجھ لیجیے...ویسے مجھے ترانہ کہتے ہیں''۔

''یعنی آپ لوگوں کے لبوں پر ترنم بن کر رہتی ہیں''۔ارمان نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

''فی الحال تو میں اپنے گھر میں رہتی ہوں...''۔دونوں یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑے

ارمان بولا''ہاتھ تھاما ہے چھوڑیے گا نہیں''۔

''اب تو یونیورسٹی میں ملیں گے''۔یہ کہ کر ترانہ گھر روانہ ہوگئی۔

یونیورسٹی کھلی۔ پڑھائی کی مصروفیت شروع ہو گئی۔ترانہ یونیورسٹی کی سب سے خوبصورت،تیز طرار اور نمبر ون مقررہ تھی۔ڈیبیٹ میں ہمیشہ اول۔لڑکوں کے چھکے چھڑا دیتی تھی۔ارمان اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔والدین کار کے حادثہ میں چل بسے۔ارمان اس دنیا

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

میں تن تنہا رہ گیا۔ ترانہ سے دوستی کر لی۔ دونوں ایک جان دو قالب تھے۔ ایم اے کے پہلے سال میں ترانہ کے دونوں والدین چھ مہینے کے وقفے کے اندر دنیا سے سدھارے۔ ترانہ دنیا میں اکیلی رہ گئی۔ ارمان کی دوستی۔ اس کا ساتھ۔ ترانہ کے لیے محفوظ قلعہ کی طرح تھا۔ جس کی لمبی لمبی فصیلوں میں وہ خود کو محفوظ سمجھتی۔ دن پنچھی بن کر اڑتے چلے گئے۔ ایم اے کا دوسرا سال بھی اختتام پر تھا۔ امتحان کے بعد تمام دوستوں نے مل کر چھٹیوں میں لاہور سے ٹھاکوٹ بائے کار جانے کا پروگرام بنایا۔ ٹرپ سے واپس آ کر رزلٹ کے بعد شادی کا ارادہ تھا۔

سوموار کی صبح ارمان اپنی کار لے کر آ گیا۔ ترانہ نے اپنی پیکنگ کر لی تھی۔ سرخ قمیض شلوار میں ملبوس تھی۔ سرخ رنگ ارمان کو بے حد پسند تھا۔ ترانہ کا عروسی جوڑا ارمان نے اپنی پسند کا بنوایا تھا۔ مہینے بھر میں شادی تھی۔

''ناشتہ کرو گے ارمان''۔ ترانہ نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''چلو تم کو چانس دے رہا ہوں۔ شادی سے پہلے تو تم ناشتہ بناؤ گی''۔

''اور شادی کے بعد''۔

''میں بناؤں گا تمہارے لیے''۔ ارمان کی آنکھوں میں چاہت چھلک رہی تھی۔

''سچ...جھوٹ تو نہیں بول رہے''۔ ترانہ کے لہجے میں بے یقینی کے تاثرات موجود تھے۔

''جھوٹ کیوں...اتنی بڑی دنیا میں تم ہی واحد میری اپنی ہو...''۔ ارمان نے یقین دلاتے ہوئے اقرار کیا۔

''اچھا تو تم سامان رکھو۔ میں ناشتہ بناتی ہوں''۔ ترانہ کچن کی طرف چل دی۔ ارمان رختِ سفر باندھنے لگا۔ تمام سامان کار میں سیٹ کرنے لگا۔ ترانہ نے دو سوٹ کیس اور دو بیگ تیار کر رکھے تھے

''ترانہ صاحبہ آپ چھ مہینے کے لیے تو نہیں جا رہی چھٹیوں پر...صرف دو ہفتے کے لیے جہاں تک مجھے یاد ہے''۔

''ارمان پلیز مجھ کو مت روکو...تم نہیں جانتے یہ تمام سامان میری ضرورت ہے...میں

نے احتیاط اور سوچ بچار کر کے یہ سامان چھان پھٹک کر رکھا ہے...''۔ ترانہ نے بڑی سادگی اور معصومیت سے احتجاج کیا

''ارے بھئی...میں تو مذاق کر رہا تھا...مجھے کوئی اعتراض نہیں...جتنا چاہو لے جاؤ''۔

ارمان کار میں تمام سامان رکھ چکا تھا۔ ترانہ نے اپنا ہینڈ بیگ میں پیسے اور ضروری کاغذات رکھے۔ تمام کمروں کو تالا لگا کر باہر آئے۔ میں دروازے کو قفل لگایا۔ ارمان نے کار یونیورسٹی کی طرف موڑی۔ جہاں منی بس پہلے سے موجود تھی۔ سب بس پر سوار ہو گئے۔ لڑکے دائیں طرف اور لڑکیاں بائیں طرف سیٹوں پر براجمان ہو گئیں۔ یونیورسٹی کے چار پروفیسر بھی ہمراہ تھے۔ ارمان نے کریم کلر کی آدھی بازو والی شرٹ اور نیلی جینز پہن رکھی تھی۔ گھنے گھنگھریالے بال ماتھے کو چوم رہے تھے۔ ترانہ تو بس ارمان پر فریفتہ تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو پا کر پھولے نہ سما رہے تھے۔ دونوں دنیا میں اکیلے تھے۔ چھٹیوں کے بعد دونوں نے اپنا جاب شروع کرنا تھا۔

ترانہ اپنا سر سیٹ کی پشت پر رکھے نیم کھلی آنکھوں سے ارمان کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

وہ اپنی قسمت پر ناز کر رہی تھی۔ کتنا حسین ساتھی ملا مجھ کو۔ ارمان بھی گاہے بگاہے اپنی محبوبہ، راحتِ جان کو کن انکھیوں سے تعریفی انداز سے دیکھتا رہا۔ سفر کی لذت کا خمار تھا۔ ترانہ کی حسن کی دلکشی میں نیا نکھار تھا۔ کچھ گھنٹے سفر کرنے کے بعد ترانہ نے شرمیلی مسکراہٹ اور خمار آفریں انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''گیسٹ ہاؤس کتنا دور ہے؟''

''بس تھوڑی دور...دس منٹ تک ہم گیسٹ ہاؤس پہنچ جائیں گے۔ لیکن ذرا اپنی توبہ شکن انگڑائیوں پر کنٹرول کرو۔ ورنہ کہیں کھڑکی سے لڑھک نہ جاؤں''۔ ارمان ترانہ کی اچھوتی جوانی کے نشے میں چور چور تھا۔

''اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہو؟''...ترانہ نے تیز لہجے میں غصہ ظاہر کرتے ہوئے

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کہا۔

''وہ دیکھو گیسٹ ہاؤس آ گیا۔ اب خوش ہو جاؤ''۔ منی بس گیسٹ ہاؤس کے اندر پارک کر دی۔ بس کھڑی کر کے ڈرائیور نے تمام سامان نکال کر باہر رکھنا شروع کر دیا۔ سب نے اپنا سامان پکڑا۔ لڑکیاں اپنے کمروں اور لڑکے اپنے کمروں کی جانب چلے گئے

سب نے اپنے کپڑے سیٹ کیے۔ بھوک اور واماندگی سب کے چہروں سے ٹپک رہی تھی۔

''میرا خیال ہے سب سے پہلے کھانا کھائیں۔ کھانے کا وقت ہے اور ڈائننگ ہال میں کھانا لگ چکا ہوگا''۔ ترانہ نے باور کروایا۔

''کھانا کھا کر تھوڑی دیر استراحت کے بعد باہر سیر کو نکلیں گے''۔ شازیہ بولی

سب لڑکیاں کھانے کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ ان کے پیچھے عمران، ذیشان، شعیب اور ارمغان چلے۔

''میں تو تھک گئی ہوں۔ کل صبح سیر کا پروگرام بنائیں گے''۔ دنیا بولی

سب نے خوب مزے سے کھانا کھایا۔ واپس کمرے میں آ کر اپنے کپڑے بدل کر بستروں میں دبک گئیں۔

ترانہ کی دل و دنیا میں ہر سو شادمانی، آسودگی اور طمانیت تھی۔ لڑکوں کے کمرے میں ارمان کے قدم خوشی سے زمین پر ٹک نہ رہے تھے۔

وہ آسمان پر اڑ رہا تھا۔ ترانہ کو پا لیا تھا بس ایک مہینے تک ازدواجی زندگی میں بندھنے والے تھے۔

ان کی زندگی میں ایک نئی صبح طلوع ہونے والی تھی۔

شام سُرمئی ہو گئی تھی۔

کرنوں کی رنگت اڑی جا رہی تھی۔

سورج تیزی سے نیچے گر رہا تھا۔ کانپتی تھرکتی ہوئی کرنیں کمرے میں بے ہنگم رقص کر رہی

تھیں۔

ترانہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی۔ سب لڑکیاں خوابِ خرگوش تھیں۔

ترانہ نے باتھ روم میں جا کر کاسنی کلر کا سوٹ پہنا۔ بالوں کا سٹائل بنایا۔ تیار ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس اثنا میں شازیہ، آئمہ اور دنیا بھی اٹھ گئیں

''ارے تم تو تیار ہو ترانہ ہمیں کیوں نہیں اٹھایا''۔ آئمہ نے ملائمت سے کہا۔

''اتنی میٹھی نیند سو رہی تھیں تم سب.. اٹھانے کا سنگین جرم کا ارتکاب کیسے کرتی۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ سب۔ موسم انتہائی رومانٹک ہے۔ سیر کو چلنا چاہیے''۔

''پہلے پروفیسرز یبا اور سعدیہ کے کمرے میں چلو وہ پروگرام بتائیں گی''۔ شازیہ بولی

سب لڑکیاں پروفیسرز کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ ان کے دروازے پر ہلکی تھاپ دی۔

''میڈم زیبا کیا پروگرام ہے شام کا؟''۔ ترانہ نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''۔

''چائنیز رسٹورنٹ چلیں''۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

''لڑکوں سے بھی تو صلح مشورہ کرنا چاہیے''۔ پرافیسر سعدیہ نے یاددھانی کی۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولنے پر انکشاف ہوا کہ تمام لڑکے تیار کھڑے تھے۔ تمام حضرات کی رائے لی اور فیصلہ ہوا کی چائنز رسٹورنٹ ٹھیک رہے گا۔ چند منٹوں میں وہ رسٹورنٹ کے اندر تھے۔ سب نے آرڈر دیا۔

پڑھائی کی مصروفیت سے فاغت ملی تو یوں لگا جیسے دنیا میں دوبارہ پیدائش ہوئی۔ سکھ کے سانس لینے لگے۔ کھانا کھانے کے بعد کار میں لمبے ڈرائیو کو نکل گئے۔ ارمان کار بک کر چکا تھا۔

''کل تمہارے لئے شیروانی اور پاجامہ لینا ہے شادی کے لیے''۔ ترانہ نے یاد کروایا۔

''میں سوٹ کو زیادہ ترجیح دوں گا۔ شیروانی اور پاجامہ چھوڑو''۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

''نہیں۔ میں تو تم کو شیروانی میں دولہا دیکھنا چاہتی ہوں''۔ ترانہ نے ڈھٹائی سے کہا۔

''اوکے...اوکے... جیسی تمہاری مرضی''۔

ارمان بڑی کم رفتار سے کار چلا رہا تھا۔ شام سرمئی ہوگئی تھی۔ آسمان پر دھندلے سفید اور گلابی بادل تیر رہے تھے۔ گرمی قدرے کم ہوگئی تھی۔ درختوں کے سائے طویل ہونے لگے۔ پرندوں کے غول اپنے گھونسلوں میں جانے لگے۔ موسم کی رومانیت ارمان اور ترانہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کرنے لگی۔ فرط جذبات سے مغلوب ہوکر ترانہ نے اپنا سر ارمان کے شانے پر رکھ دیا۔ ارمان کی گرم سانسوں سے ترانہ کے گالوں پر دھنک کے رنگ بکھر گئے۔

''ترانہ دل چاہتا ہے کہ ہم یونہی سیر کرتے رہیں۔ کبھی یہ سفر ختم نہ ہو''۔

''بس اتنی سی خواہش... یہ تو یقیناً پوری ہوسکتی ہے... اور کچھ''

''شادی کے بعد فوراً دو تین بچے ہمارے گارڈن میں کھیلنے لگیں''۔

''فوراً دو تین تو نہیں لیکن ایک ضرور ہوسکتا ہے''۔

''مجھے تو بیٹی چاہیے تمہارے جیسی سندر، پیاری''۔

''پہلے شادی تو ہوجائے''۔

''میں تو دن گن گن کر گزار رہا ہوں...''۔ ارمان نے اداس سا منہ بسورتے ہوئے کہا۔

چھٹیوں کے چند دن باقی تھے۔ کل بوٹنگ کا پروگرام لڑکوں کی شدید اصرار سے بن رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ترانہ کی آنکھیں خوابیدہ ہونے لگیں۔ غزالی آنکھوں میں نینداترنے لگی۔ وہ اپنے بستر پر نیم دراز لیٹ گئی۔

تمام لڑکیاں اپنے بستروں پر خواب خرگوش تھیں۔ شب تار نے ساری فضا اور ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ترانہ بڑی گہری نیند میں تھی۔ چہرہ سکون اور تسکین کی آماجگاہ تھا۔ اچانک چہرے کے تاثرات میں تغیر آنے لگا۔ سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔ ماتھا اور پورا بدن پسینے میں نہایا گیا پھر دلدوز چیخ ماری اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''یہ نہیں ہوسکتا... یہ ناممکن ہے...''۔ وہ ہذیانی انداز میں بولے جارہی تھی۔ ترانہ کی

بھیانک چیخ سن کر سب لڑکیاں خوفزدہ ہوکر اٹھ بیٹھی۔

ارمان تشنہ روح تشنہ آنکھیں لیے اپنے بستر پر لیٹا تھا۔ دلِ نادان کسی صورت نہ مان رہا تھا۔ بے کلی اور بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ نہ جانے کیوں دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ انجانا سا خوف دل میں بیٹھا جارہا تھا۔ پروفیسران اور لڑکے ساتھ والے کمرے سے بھاگے آئے

''کیا ہوا... ترانہ...''۔ پروفیسر زیبا نے پوچھا

ترانہ کے چہرے پر پسینے کی نمی تھی۔ وہ حراساں و ترساں سی تھی۔ ''میں نے ہولناک سا خواب دیکھا ہے''۔ ترانہ بھاگ کر پروفیسر تبسم کے سینے سے جا لگی۔ پھر ترانہ بغیر کچھ کہے ارمان کی طرف لپکی۔

''کیا ہوا ترانہ؟... کیا بات ہے؟''۔ پروفیسر تبسم نے استفسار کیا۔

''تم ٹھیک ہو نا... زخمی تو نہیں...''۔ ترانہ دیوانہ وار ارمان کے بدن کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ کیا ہوا؟... ڈراؤنا خواب دیکھا ہوگا تم نے''۔

''بہت بُرا.. واپس چلیں ابھی... اسی وقت۔ بوٹنگ کا پروگرام کینسل کردو''۔ وہ دیوانی باتیں کرنے لگی۔

''دقیانوسی باتیں نہ کرو... کچھ نہیں ہوگا''۔ ارمان نے دلاسا دیا۔ سب نے ترانہ کو تسلی اور حوصلہ دیا۔ ارمان نے دلاسہ دیا۔ تب وہ سنبھلی۔ پھر سب جا کر سو گئے۔ صبح ہوئی۔ سب نے ناشتہ کیا۔ رات کو تو ترانہ کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اب ذرا نارمل ہوگیا۔ رات کا ڈراؤنا خواب بھول چکی تھی۔ سب بس میں بیٹھ گئے۔ کھڑکیوں سے ہوا کے شریر جھونکے دل کو بھانے لگے۔ موسم کی چاشنی فضا میں گھلی ہوئی تھی۔ سب لوگ دنیا کی کوفتوں اور کٹھنائیوں سے دور رعنائیوں میں ڈوبے تھے۔ ڈرائیور نے بس دریا کے کنارے پارک کی۔ کافی جمگھٹا تھا۔ لوگ پک نک منانے آئے ہوئے تھے۔ کھانے کا بیگ اٹھائے سب خاموش گوشے کی تلاش میں تھے۔ ہوٹل سے چلتے وقت کافی لوازمات اٹھا لائے۔ تھرمس میں چائے بھی۔ ہرے بھرے گھاس پر چادر بچھا کر بیٹھ گئے۔ فرحت افزا سماں فرحت بخش فضا۔ ٹہنیوں کے جھولوں پر خوشنما

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

رنگا رنگ پھول۔ ترانہ اور ارمان دوسروں سے تھوڑی دور گھاس پر بیٹھ گئے۔ دونوں کا دل ہواؤں میں تیرنے لگا۔ موسم کی شادابیاں عروج پر تھیں۔

''دل کرتا ہے تم میرے سامنے بیٹھی رہو۔ میں تم کو تکتا رہوں''۔ ارمان گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔

''ارے بھی دیکھنے کے لیے تو ساری عمر باقی ہے''۔ ترانہ نے جھکتے ہوئے کہا۔

''کیا پتہ کتنی زندگی ہے۔ تقدیر کے ہاتھوں ہم سب بے بس ہیں۔ میں تو اللہ سے دو زندگیاں مانگتا ہوں۔ ایک زندگی تو تھوڑی ہے تمہیں پیار کرنے کو...''۔ ارمان گہری گہری نگاہوں سے پلکیں جھپکے بغیر دیکھتا رہا۔

''میرے چہرے میں کیا ڈھونڈھ رہے ہو؟''

''اپنے تقدیر...اپنی قسمت''۔

''فلسفی بگھارنے لگے ہو تم...خیر تو ہے''۔ ترانہ نے مصنوعی تشویش ناک چہرہ بنایا۔

''چلو ترانہ اور ارمان بوٹنگ کو چلیں''۔ تھوڑی دور سے پرافیسر شہباز نے زوردار آواز سے کہا۔

دونوں نے اپنا سامان اٹھایا اور بس میں رکھ دیا۔ تین چار بڑی کشتیوں جو کہ بک کر رکھی تھیں۔ اس میں بیٹھ گئے۔ ترانہ ارمان، شازیہ، ذیشان اور ارمغان کافی دیر بوٹنگ کرتے رہے۔

''میرا دل تیرنے کو کر رہا ہے۔'' یہ کہہ کر ارمان نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ سب ارمان کو منع کرتے رہ گئے۔

''دور مت جانا ارمان۔ گہرے پانی سے دور رہنا''۔ ارمان کے کانوں میں ترانہ کی رسیلی آواز پہنچ رہی تھی۔ وہ پندرہ بیس منٹ تیرتا رہا۔ پھر اچانک پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ ارمان نے اپنا ہاتھ ہلا کر مدد مانگی لیکن ترانہ اور دوسرے سمجھے جیسے یونہی ہاتھ ہلا رہا ہے۔ ارمان دو چار بار ڈوبا اور پھر ابھرا۔ اب ترانہ کو تشویش ہوئی کہ ارمان ڈوب رہا ہے۔ وہ زور زور سے چیخنے لگی۔

کافی لوگ بوٹنگ کر رہے تھے۔ جلدی سے اپنی بوٹ ارمان کی طرف لے گئے۔ ذیشان اور ارمغان پانی میں کود گئے۔ ڈبکیاں مار مار ارمان کو ڈھونڈنے لگے۔ پانی میں ارمان نظر آیا۔ پانی سے کھینچتے ہوئے بوٹ میں ڈال کر کنارے پر لے گئے۔ ترانہ حراسان تراسان مجسمہِ پتھر بنی رہی۔ اس کا ارمان گھاس پر بے جان پڑا تھا۔ ہجوم میں ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ جلدی سے نبض چیک کی ارمان کے دل کو سنا۔ نبض آہستہ سے چل رہی تھی۔

''مریض کو جلد ہاسپٹل پہنچایا جائے۔ شاید جان بچ جائے''۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ارمان کو کار میں ڈال کر ہاسپٹل میں پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر نے موبائل سے ہاسپٹل کا ایک بیڈ بک کر لیا تھا۔ ہاسپٹل والے سٹیچر لے کر تیار تھے۔ جلدی سے ارمان کو تھیٹر میں لایا گیا۔ جان لیوا منظر تھا۔ ترانہ کی زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ وجود میں اب دردناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خاموشی اتنی تھی کہ دل کے دھڑکنے کی صدا کانوں میں آ رہی تھی۔ دو گھنٹے بعد سینئر سرجن تھیٹر سے باہر آیا اور پوچھا۔

''ترانہ کون ہے؟''۔ ترانہ ایک قدم آگے بڑھی اور کہا۔

''میں ترانہ ہوں''۔

ڈاکٹر نے ترانہ کی طرف ہمدردانہ انداز سے دیکھا اور کہا۔ ''آئی ایم سوری۔ ہم نے پوری کوشش کی لیکن ارمان کو نہ بچا سکے''۔

ترانہ کو سکتہ ہو گیا۔ ضبط و صبر کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ شکستہ پا، مجسمہ پتھر بن گئی۔ دل حلق میں آ گیا۔ زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ وہ غموں کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آئی تو ہاسپٹل کے بیڈ پر پڑی تھی۔ نرس جلدی سے ڈاکٹر کو لا کر لے آئی۔ ڈاکٹر نے ترانہ کو چیک کیا پھر بتایا کہ وہ غموں کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی لیکن اب بالکل ٹھیک ہے اور گھر جا سکتی ہے۔

''ارمان کون تھا آپ کا؟''۔

''میں اکیلی اور ارمان بھی اکیلا تھا اس دنیا میں۔ ہماری ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی۔ ہم دونوں نے ایم اے اکھٹے کیا۔ ہماری شادی ہونے میں چند دن باقی تھے۔ ہم دونوں ایک دوجے کو پا کر انتہائی مسرور و شاداں تھے۔ ہم نے اپنی دنیا الگ بسانے کی ٹھان لی لیکن تقدیر کو

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کچھ اور منظور تھا۔ نہ جانے کس کی نظر کھا گئی ہماری خوشیاں۔ اس میں کیا مصلحت تھی۔ میں تو پھر سے بے سروسامان، تاریکی و ویرانی کا شکار ہوگئی ہوں"۔

خوابوں کے محل زمین بوس ہوگئے۔

پورا چمن اجڑ گیا۔

ترانہ کی آنکھوں میں برسات تھی۔ ان آنسوں کی حدت سے پتھر بھی پگھل جاتے۔

"آپ کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ آپ چاہیں تو یہاں کچھ عرصہ رہ سکتی ہیں اور کچھ دن بعد واپس جاسکتی ہیں۔ میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ آپ کسی اچھے انسان کا ہاتھ تھام لیں"۔

"ڈاکٹر شان... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میں معذرت خواہ ہوں حالانکہ ایسی باتوں کا موقع محل نہیں"۔

"ڈاکٹر میں ٹوٹ چکی ہوں۔ میری ہستی میری شخصیت ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گئی ہے گلستان آگ کے بگولوں سے جھلس گیا ہے۔ شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی"۔

"زندگی ایک لمبا سفر ہے۔ اکیلے نہیں کٹے گا"۔ ڈاکٹر شان نے کھلے دل سے اظہار کیا۔

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں"۔

"آپ کا منفی رویہ میرے ارفع حوصلے اور امیدوں کو ڈوبنے نہ دے گا۔ میں انتظ کروں گا"۔

"ڈاکٹر شان اپنے نفس کو خود فریبی سے بچایے۔ جو آپ سوچ رہے ہیں وہ قطعی مم نہیں۔ برائے مہربانی اپنا قیمتی وقت نہ برباد کیجئے مجھ پر۔ زیاں کاری ہوگی۔ بہتر یہی ہے آپ ضرورت مند اور بیمار لوگوں پر اپنی توجہ مرکوز کردیں"۔ ترانہ نے روہانسی لہجے میں کہا۔

"ترانہ تم نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ فیصلہ اب مجھ پر چھوڑ دو"۔ ڈاکٹر شان نے گ یاسیت سے کہا۔

اس اثنا میں دوسرے تمام ساتھی ہاسپٹل پہنچ گئے۔ ترانہ کو ہاسپٹل سے لے کر گیس ہاؤس پہنچے۔ ترانہ نے سب کو کہہ دیا کہ وہ اپنا پروگرام میں کوئی ردوبدل نہ کریں۔ ترانہ کو ا

کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ دنیا کا سامنا کرنے کے لیے بہت وقت درکار تھا۔ درحقیقت سب کا موڈ آف ہوگیا۔ ارمان کو دفنا دیا گیا۔ وہ سب جانے کو تیار تھے۔ جمعرات واپسی کا دن تھا۔

سب بس پر چڑھے۔ ترانہ اسی سیٹ پر بیٹھی تھی جس پر آتے وقت سفر کیا۔ وہ چپ چاپ آنکھیں موندے بیٹھی رہی۔

ذہن کے پردوں پر ماضی کے گولے بازگشت کرنے لگے۔ ارمان کے ساتھ بیتے ہوئے دنوں کی یادیں چنگاریوں کی طرح دماغ میں ترخ گئیں۔ وہ سسک اٹھی۔ آنسوؤں کے دھارے ترانہ کے سوگوار گالوں پر چھلک پڑے۔ وہ بڑی اذیت ناک کیفیت میں مبتلا تھی۔ زندگی کی شیرازہ ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گیا۔ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ جو بھی قریبی عزیز تھا اُس سے چھین لیا گیا۔ دل میں تہیہ کرلیا کہ وہ کسی کو اپنے دل کے قریب نہ رکھے گی کسی کو نہ چاہے گی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۷

"اٹھو...اٹھو...تیمور...دیکھو تو نو بج رہے ہیں۔آج کام پر نہیں جاؤ گے"۔رشیدہ بیگم بستر کے پاس آئیں اور تیمور کو جھنجھوڑا۔

تیمور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔چہرہ اترا تھا۔آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا...نیند نہیں آئی؟"

"بس یونہی طبیعت تھوڑی ناساز ہے"۔

"دفتر مت جاؤ آج۔آرام کرنا بھی اشد ضروری ہے"۔

"نہیں امی کام بہت زیادہ ہے۔بہت سے کیسوں میں الجھا ہوا ہوں میں"۔تیمور بستر سے اٹھا۔تیزی سے ناشتہ کر کے دفتر روانہ ہو گیا۔

رات کے واقعات سے ابھی بھی ذہن سے چنگاریاں چھوٹ رہی تھیں۔وجود آب آب ہو رہا تھا۔

خود ہی مجرم بن گیا تھا اپنی نظر میں۔دفتر آ کر تیمور نے خود کو فائلوں میں ڈبو لیا۔فون رنگ ہوا۔

"ہلو تیمور یار کبھی فون کر لیا کرو"۔دانیال کے لہجے میں ناراضگی نمایاں تھی۔

"سناؤ کیسا مزاج ہے؟ کیا شغل ہیں؟"

"یار میری مدد کرو"۔دانیال نے ملتجی انداز میں کہا۔

"کس قسم کی"۔تیمور نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"میری شادی کرا دو"۔دانیال نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"کس سے"۔تیمور نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"قبل از وقت میں بتانے سے گریز کر رہا ہوں۔بس یہی کہوں گا کہ میں نے کسی کو چن لیا ہے"۔

"تم تو بڑے خوش قسمت ہو۔تم نے اپنا ہم سفر چن لیا"۔تیمور حسرت بھرے انداز میں مزید بولا۔

"ترانہ سے بات ہوئی تمہاری"۔تیمور نے اپنے شک کو دور کرنے کے لیے مزید کریدا۔

"ہاں کل رات فون کیا تھا۔اس کی طبیعت ناساز تھی"۔دانیال نے مختصراً جواب دیا۔تیمور مطمئن نہ ہوا اس لیے مجبوراً تیمور نے پوچھا۔

"تو کیا ترانہ...ہی..."۔پھر چپ ہو گیا

"نہیں...وہ تو کوئی اور ہے...ترانہ سے تو دوستی کر لی ہے"۔دانیال نے فون رکھ دیا۔

تیمور کا موڈ یک لخت ٹھیک ہو گیا۔

وہ سوچنے لگا ترانہ میری ہے۔اس کو حاصل کرنا میری زندگی کا نصب العین ہے۔

لیکن شاہانہ کا کیا ہو گا۔امی شاہانہ سے محبت کرتی ہیں وہ مجھے قطعاً کسی اور سے شادی کرنے کی اجازت نہ دیں گی۔

میں بھی تو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔اچانک ترانہ کا حسین چہرہ آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

روح پیاسی آنکھوں کی تشنگی بڑھتی جا رہی تھی۔

ترانہ کا چہرہ دیکھے ہوئے جیسے مدتیں گزر گئیں۔جو غصہ رات کو تھا وہ یکسر ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔یہی سوچتے ہوئے تیمور نے فون اٹھایا اور ترانہ کے گھر فون کیا۔صابی نے بتایا کہ وہ سیٹھ جمشید کی اہلیہ کی طرف گئی ہے۔آصفہ بھی ساتھ ہے۔تیمور نے صابی کو تاکید کی کہ جب ترانہ واپس آئے تو تیمور کو فون کر کے حالات سے آگہی دے۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۸

گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد آصفہ نے کار مسز جمشید سہیل کے گھر کے سامنے روکی۔

گھر کے بلند ستون در و دیوار اپنی شان و شوکت کی نشاندہی کر رہے تھے۔

وسیع عریض لان کے اندر انتہائی شاندار بنگلا تھا۔

چوکی دار نے گیٹ کھولا۔ آصفہ کار کو اندر لے آئی۔ چوکی دار نے دیو پیکر صدر دروازہ کھٹکھٹایا۔

خادمہ نے دروازہ کھولا اور دونوں کو انتہائی جدید اور مہنگے فرنیچر سے آراستہ پیراستہ ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہی خادمہ ٹرالی میں کافی چائے اور دوسرے لوازمات لے کر آئی۔ مسز جمشید سہیل بڑا سادہ لیکن مہنگا ہلکے براؤن کلر کا سوٹ پہنے آئیں۔

''آداب مسز جمشید''۔ آصفہ اور ترانہ یک زبان ہو کر بولیں۔

''بیٹھ جاؤ''۔ آصفہ اور ترانہ دونوں گداز صوفے میں دھنس گئیں۔

''میں ترانہ ہوں۔ یہ میری کولیگ آصفہ۔ ہم سیٹھ جمشید کے کیس پر متعین ہیں۔ ہمارے ریکارڈ کے مطابق سیٹھ جمشید تقریباً پانچ سال پہلے غائب ہوئے۔ کیا یہ درست ہے؟''۔

''ہاں میں نے اپنی بیٹی مرینہ کے ہمراہ پولیس اسٹیشن میں جا کر گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی تھی''۔

''جمشید صاحب کیسے مزاج کے مالک تھے''۔ آصفہ نے دامنِ سوال پھیلایا۔

''وہ انتہائی مخلص اور نیک صفت شوہر تھے۔ مجھے کبھی شکایت کا موقع نہ دیا''۔ مسز جمشید

کی آنکھوں میں درد کی کسک جھلک اٹھی۔

''آخری دن کا واقع سنایئے۔ کیسے موڈ میں تھے وہ''۔ ترانہ نے سوالیہ نگاہوں سے مسز جمشید کو دیکھا

آصفہ اپنی نوٹ میں سب کچھ لکھے جا رہی تھی۔

''جمشید صاحب صبح ناشتہ کر کے حسبِ معمول کام پر گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد مجھے فون کیا۔ روزانہ وہ اُسی وقت میرا حال فون پر دریافت کرتے تھے''۔

''فون پر ان کا لہجہ اور موڈ کس طرح کا تھا''۔ آصفہ نے پُرتجسس لہجہ میں پوچھا۔

''بالکل نارمل انداز سے بات کی... یا... کوئی انہونی بات نوٹ کی آپ نے''۔ ترانہ نے استفسار کیا۔

مسز جمشید نے سوچنے لگیں۔ کچھ دیر تامل کے بعد گویا ہوئیں

''مسٹر جمشید نے مجھے اپنا خیال رکھنے کی تلقین کی اور کہا کہ ان کے بعد بزنس مجھے چلانی ہوگی''۔

''پہلے کبھی انہوں نے ایسی بات کہی''۔ ترانہ نے مزید استفسار کیا۔

''نہیں''۔

''آپ کی ازدواجی زندگی کیسی تھی؟ کسی قسم کی الجھن... کاروباری یا پرسنل... کسی قسم کا دماغی دباؤ''۔

''نہیں... وہ اپنی زندگی سے مکمل طور پر مطمئن تھے۔ بالکل خوش باش''۔

''گھر میں کون کون رہتا ہے؟'' آصفہ نے استفسار کیا۔

''میں... میری بیٹی مرینہ اور میرا داماد بابر''۔

''کب شادی ہوئی تھی مرینہ کی''۔ آصفہ نے سوالیہ نگاہوں سے مسز جمشید کو دیکھا۔

''پانچ سال سے کچھ زیادہ''۔

''پانچ سال شادی... پانچ سال جمشید کی گمشدگی کو ہو گئے۔ بڑا ہی عجیب اتفاق ہے۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کیوں ہے نا مسز جمشید؟'' ۔ترانہ گہری سوچوں میں ڈوبے ڈوبے بولی۔

''کیا مطلب... میں سمجھی نہیں...'' ۔مسز جمشید متذبذب ہوگئیں۔

''مسز جمشید آخری دن واپس گھر آئے یا نہیں''۔

''نہیں شام تک واپس نہیں آئے''۔

خادمہ ٹرے لے کر آئی۔ سیٹھ جمشید کی فوٹو دیکھی پھر مرینہ اور بابر کی سب فوٹو تو دیکھ چکی تھی بس مکمل یقین کرنا چاہتی تھی۔ تصویریں تو ہو بہو وہی تھیں جو وہ کالج میں دیکھ کر آئی تھی۔

''مسز جمشید اپنی بیٹی مرینہ کی گمشدگی کی رپورٹ کیوں نہ کی'' ۔ترانہ نے اچانک انوکھا سوال کر ڈالا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو لڑکی؟ میری بیٹی تو میرے پاس ہے۔ ابھی آنے والی ہے''۔

''مسز جمشید کیا یہ سچ ہے؟'' ۔ترانہ نے ششدر ہو کر کہا۔

''ہاں'' ۔اتنے میں کار بڑی چرچراہٹ سے پورچ میں رکی۔ ایک خوبصورت خاتون انگلیوں میں چابی گھماتی ہوئی اندر آئی۔ نہایت عمدہ ماڈرن کپڑوں میں ملبوس تھی۔ ترانہ حیرت سے منجمد ہوگئی۔

ٹھٹکی اور بھونچکا گئی۔

اچھل کر کرسی سے کھڑی ہوگئی۔

زمین نے اس کے قدم پکڑ لئے۔ خاتون کے خدوخال ہو بہو خواب والی لڑکی سے ملتے جلتے تھے۔

وہ بالکل ہڑبڑا گئی۔

سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اصلی مرینہ کون ہے۔ خواب والی یا یہ... ظاہر ہے ماں تو اپنی بیٹی کو پہچانتی ہے نا!

''ترانہ یہ میری بیٹی... مرینہ''۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر'' ۔مرینہ نے اچٹتی نظر ڈالی۔ پھر بڑی شانِ دلربائی

سے مٹکتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ترانہ سوچنے لگی کہ خواب والی لڑکی کی آنکھوں میں کتنی محبت تھی۔ اپنائیت تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں تکبر و نخوت، دولت و عسرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

''تم کیا کہہ رہی تھی مرینہ کے بارے میں...'' ۔مسز جمشید ترانہ سے مخاطب تھیں۔ ''تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا نا میری بیٹی خوش و خرم ہے''۔

''جی ہاں... آپ درست کہتی ہیں'' ۔ترانہ نے آہستگی سے کہا جیسے کسی گہرے کنواں سے آواز آ رہی ہو۔ ترانہ بہت پزل ہو چکی تھی۔

سوچ رہی تھی معلوم نہیں خوابوں میں کس حد تک سچائی تھی۔ لیکن ایک ہی فیملی میں دو گمشدگیاں... یہاں ضرور گڑبڑ ہے۔

اس مرینہ اور بابر کے بارے میں باریک بینی سے کام ہوگا۔ بڑی چھان بین کرنی پڑے گی۔ مرینہ اپنے اسکول میں ٹینس کی چیمپین تھی۔ میٹرک میں اس نے پنجاب میں ٹاپ کیا۔ یقیناً انتہائی ذہین۔

''بابر کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں'' ۔ترانہ نے تجسس بھری آواز میں پوچھا۔

''جب سے سیٹھ جمشید غائب ہوئے بابر نے تمام کاروبار سنبھالا۔ وہ ہی سب بزنس چلاتا ہے۔ میں نے تو کبھی حساب کتاب نہیں مانگا''۔

''اچھا تو اب بابر سیاہ و سفید کا مالک ہے'' ۔ترانہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

ترانہ اور آصفہ نے اٹھتے ہوئے کہا ''مسز جمشید آپ نے ہمارے ساتھ کافی تعاون کیا۔ ہم سب آپ کے شکر گزار ہیں''۔

''ترانہ بیٹی... نہ جانے مجھے تم پر کیوں پیاری لگی۔ دوبارہ بھی آنا مجھے تمہارا انتظار رہے گا''۔

''اچھا تو اجازت دیں'' ۔ترانہ اٹھ کر مسز جمشید کے گلے لگ گئی۔

نہ جانے کیوں مسز جمشید ترانہ کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ ترانہ کو گلے لگا کر ان

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کو بڑی تسکین اور فرحت آگین احساس ہوا۔

مسز جمشید کی آنکھیں ترانہ پر جم گئیں۔ جب تک کار اوجھل نہ ہوئی وہ دیکھتی رہیں۔

کار میں بیٹھ کر ترانہ بڑی گہری سوچوں میں غلطاں تھی۔ مجھے کیوں ایسا احساس ہوا جیسے میں گھنی چھاؤں تلے آ بیٹھی۔

ایسے جذبات تو جس ماں نے پالا پوسا تھا اُس کے لیے بھی نہ محسوس کیے۔ کیا رشتہ ہے میرا اور مسز جمشید کا؟ کچھ تو ضرور ہوگا۔

اسی ادھیڑ بن میں وہ الجھتی رہ گئی۔ آصفہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ وہ ترانہ کے اندرونی احساسات سے ناواقف تھی۔

لیکن چہرے پر طوفانی مدوجزر کی پرچھائیاں دیکھ رہی تھی۔

''آصفہ مجھے آفس چھوڑ دو... تیمور سے ملنا ہے مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں''۔

''او کے''۔

آصفہ نے ترانہ کو ہیڈ کوارٹر چھوڑا۔ ترانہ تیمور کے آفس کی طرف بڑھی۔ دروازے پر ہلکی تھاپ دے کر اندر آ گئی۔

تیمور انہماک سے کام میں ڈوبا ہوا تھا۔ اچانک ترانہ کو دیکھ کر چونک گیا۔

کتنے ہی دن گزر گئے تھے ترانہ کو دیکھے ہوئے۔ کھانا ٹھیک طرح نہ کھانے کی وجہ سے چہرے پیلا اور مضمحل لگ رہا تھا۔

''آیئے ترانہ بیٹھیے... میرا دوسرا گال بھی حاضر ہے'' تیمور نے مہربانہ لہجے میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ترانہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ پسینے کی سی نمی کو محسوس کیا۔ قدرے خفیف تھی۔

چند لمحے توقف کے بعد وہ بولی ''پلیز تیمور مجھے معاف کر دو۔ میرا رویہ تمہارے ساتھ نازیبا تھا''۔ ترانہ نے سر کا خطاب گراتے ہوئے کہا۔

ندامت کے آثار چہرے پر ابھرے۔

''مجھے تمہارے تھپڑ کا غصہ نہیں ہے۔ مجھے تو اس بات کا غم ہے کہ تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔ یہی احساس دن رات میرے دل پر کوڑے برساتا رہا''۔

''تیمور پلیز وہ سب بھول جاؤ... جو ہوا وہ ماضی کا ایک المیہ باب سمجھ کر اپنے ذہن سے کھرچ دو۔ ناراض مت ہو مجھ سے...''۔ ترانہ تاسف بھرے انداز میں بولے جا رہی تھی۔

''تم سے خفا نہیں رہ سکتا میں زیادہ عرصہ... نہ جانے کیوں؟''۔ تیمور نے کہا

''تم کو ناراض کر کے میں بھی تو کوئی رات چین سے نہ سو سکی۔ پچھتاوے کی آگ مجھے جھلستی رہی''۔ ترانہ کی مدھم سی آواز سرسرائی۔

یہ سن کر تیمور کے چہرے پر خوشی کی لہریں بکھر گئیں۔

وجود، دل و دماغ باغ باغ ہو گئے۔

دنیا کی ہر چیز دوبارہ مسکرانے لگی۔

اداسی کے بادل چھٹ گئے۔ خوشیوں کی کرنیں دل کو روشن کر گئیں۔

دل کی کدورتیں رفع ہو گئیں۔

امیدوں کے دیپ پھر سے جل اٹھے۔

''ترانہ میری محبت سچی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم تک میری سچی محبت کی تاثیر پہنچ جائے گی۔ کسی دن تم مجبور ہو کر بے اختیار بول اٹھو گی تیمور میں تمہاری ہوں۔ مجھے اس دن کا انتظار ہوگا''۔

''اتنی تیزی سے مت بڑھو۔ ہم اچھے دوست تو بن سکتے ہیں''۔ ترانہ نے آس دلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں... تو پھر کل سے ہم اکٹھے کام کریں گے''۔ تیمور نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔

''اور شام کا کھانا میرے ساتھ گھر پر...''۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"ایک شرط پر"۔

"کیا؟"

"تم اپنے خوبصورت ہاتھوں سے کھانا تیار کرو گی..منظور ہے؟"۔

"منظور ہے"۔ ترانہ نے بڑی ہی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ بڑی بری پھنسی۔

مجھے تو بالکل کھانا بنانا نہیں آتا۔ عزت کا سوال ہے اب کیا کروں۔ خیر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔

"کونسی ڈش بناؤں"۔

"کوفتے اور چکن روسٹ وغیرہ...."

"مٹھاس میں کیا؟"

"یہی گاجر کا حلوہ...."

"کافی مشکل کھانے پسند کرتے ہو..."

"ٹھیک ہے پھر...شام کے سات بجے آؤں گا"۔

"جب بھی چاہو سات کی شرط نہیں۔ اچھا تو میں چلتی ہوں۔ تمہارے لئے کھانا بنانا ہے مجھے بہت وقت درکار ہے"۔

"ترانہ میری کار لے جاؤ میں دوسری کار میں آ جاؤں گا"۔

ترانہ چلی گئی۔

تیمور مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ بخوبی جانتا تھا کہ ترانہ کا کھانا انتہائی بدمزہ ہوتا ہے۔ کھانا بنانا قطعی نہ جانتی تھی۔

واپسی پر ترانہ بڑی تذبذب میں مبتلا تھی کہ کیا کرے۔ چند منٹ بعد وہ شاندار ریسٹورنٹ کے سامنے رکی۔ بہت سی چیزیں خریدی اور گھر سدھاری۔

گھر آ کر آصفہ کو بتایا کہ تیمور کا کھانا تیار کرنا ہے۔ صابی اور آصفہ قہقہے لگا کر ہنسنے لگیں۔

اُن کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ وہ یقین نہ کر پا رہی تھیں کہ ترانہ نے تیمور کو اپنے ہاتھ کا کھانا کھلانا ہے۔ تیمور ٹھیک سات بجے ترانہ کے گھر آ گیا۔

"کھانا لگاؤ ترانہ... مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا"۔

ترانہ نے جلدی سے کھانا لگایا۔ دونوں کھانا کھا کر صوفہ پر بیٹھ گئے۔

ترانہ نے موقع ملتے ہی بڑے دھیمے اور رسان لہجے میں اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کر کے کہا "تیمور میں پتھر نہیں انسان ہوں۔ مجھے میرے سابقہ حالات نے تمام جذبوں کو قفل لگانے پر مجبور کیا۔ مجھے بے حس اور کرخت بنا ڈالا۔ یکسر بدل دیا... میں پہلے ایسی تو نہ تھی۔ اب میں تم کو سب کچھ بتا دینا چاہتی ہوں جو کوئی نہیں جانتا۔ یہ راز میرے سینے کی گہرائیوں میں دفن تھا۔ معلوم نہیں کون سا جذبہ مجھے اکسا رہا ہے تم کو بتانے پر... شاید دوستی کے ناطے۔ تمہاری ناراضگی نے مجھے بڑی اذیت ناک کیفیت سے دوچار کیا"۔

پھر ترانہ نے من و عن اپنی زندگی کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ ارمان کے ساتھ منگنی۔ ڈاکٹر شان کا پروپوزل... سب کچھ۔ تیمور ہمدردانہ احساسات لئے اٹھ کر ترانہ کے قدموں میں آن بیٹھا اور بولا

"ترانہ میری جان تم اس قدر دردناک سے گزری مجھے معلوم نہ تھا۔ چلو باہر چہل قدمی کرتے ہیں۔ تازہ ہوا تمہاری طبعیت کے لئے خوشگوار ثابت ہو گی"۔ ترانہ اور تیمور دونوں باہر جھیل کی طرف ہلکے ہلکے قدم اٹھاتے چلے۔

"ترانہ شادی کے لئے ہاں کر دو۔ میرے ساتھ شادی گھاٹے کا سودا نہ ہو گا میں گرانٹی دے سکتا ہوں"۔ تیمور کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"آپ جانتے ہیں مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی۔ کام ہی میری زندگی ہے"۔

"تم نے اچھی طرح سوچ لیا۔ کیا یہی تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"شادی کسی صورت بھی نہیں کرنی مجھے"۔

"کیوں نہیں؟"۔ تیمور نے بے صبراپن ظاہر کیا

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کچھ تامل کے بعد وہ بولی ''مجھے شادی کے نام سے ہی خوف آتا ہے۔ جس سے بھی مجھ
انسیت ہوتی ہے وہ مجھ سے چھن جاتا ہے۔ بہت وقت چاہیئے مجھے سوچنے کو''۔

''کیوں؟''

''اس سے آگے میں کچھ نہ کہوں گی۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے''۔ ترانہ ترش روئی سے
بولی۔

تیمور نے اپنی گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑا یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں ترانہ پھر سے ناراض
نہ ہو جائے۔

بعض اوقات اچانک ترانہ کی ذہنی تبدیلی پر خوف آنے لگتا تھا۔ وہ بالکل نارمل بول رہی
ہوتی دفعتاً انوکھی روش اختیار کر لیتی۔ اُس پر تقریباً جنون سوار ہو جاتا۔

''مسز جمشید کے ساتھ کیا باتیں ہوئیں۔ فائدہ مند معلومات حاصل ہوئیں یا نہیں'' تیمور
نے پوچھا

''مرینہ کے بچپن اور سابقہ حالات منکشف ہوئے''۔ ترانہ نے جواب دیا

''کیس کے بڑھاؤ کے لئے کیا لیڈ ملی؟''۔

''کچھ زیادہ نہیں۔ قائل کرنے کے لئے مضبوط دلائل کی ضرورت ہوگی''۔

''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ سیٹھ جمشید اور مرینہ کو قتل کیا گیا ہے۔ لیکن جب میں مسز
جمشید کے گھر پہنچی تو مرینہ زندہ اور خوش وخرم ملی''۔

''میں نے نہ کہا تھا کہ وہ خوش باش عیش کی زندگی بسر کر رہی ہوگی۔ یاد ہے نا!''

''مجھے گڑبڑ کی بو آ رہی ہے۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ بابر اپنی گردن تک کلی طور
اس معاملے میں ملوث ہے۔ میرا اندازہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے''۔ ترانہ نے ترکی لگائی

''کیا گڑبڑ لگتی ہے؟''۔ تیمور نے پوچھا

''مجھے بابر پر سوفی صد شک ہے۔ اس نے سیٹھ جمشید سہیل کی دولت ہتھیانے کے لئے
قتل کیا ہو''۔

''یہ تو صرف قیاس آرائی ہے۔ کوئی ٹھوس مدلل ثبوت دو''۔ تیمور ابھی تک کسی بات سے
متاثر نہ تھا۔

''قلیل مدت کے بعد وہ بھی مل جائے گا۔ مجھ پر اعتماد کیجئے۔ انشاءاللہ سوفی صد کامیابی ہو
گی''۔ پھر اپنی گفتگو کو غیر سیریس موضوع پر لاتے ہوئے بولی۔ ''ساتھی تلاش کرنے کا سفر تو
ترک کر دیا ہوگا۔ شاہانہ بچپن سے آپ کے ساتھ منسوب ہے''۔

''دھت تیرے کی... ترانہ... سارے رومانیت کا ستیاناس کر دیا نا...''۔ تیمور نے اپنے
ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ کچھ سوچنے کے بعد وہ پھر بولا۔

''اس کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔ امی کو سمجھا دوں گا۔ میں تمہارے سوا کسی اور سے
شادی کا سوچنا بھی گوارا نہیں کرتا''۔ تیمور نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا

''مجھ میں کونسی ایسی بات دیکھ لی آپ نے''۔ ترانہ متجسس لہجے میں بولی۔

''حسن اور ذہانت۔ دونوں خوبیاں۔ بہت کم ایک ہی انسان میں پائی جاتی ہیں''۔ تیمور
نے ستائشی انداز میں ترانہ کو دیکھا

''چلو مان لیا ایک تو میں ہوں... اور شاید دوسرے آپ ہوں گے۔ کیوں... درست کہا
میں نے''۔ ترانہ برجستہ انداز میں گویا ہوئی

''کیا کوئی شک ہے؟ سوفی صد درست... کرم نوازی ہوگی اگر آپ میرے متعلق اپنی
رائے سے آگاہ کریں''۔

''بھلے آدمی نظر آتے ہیں آپ''۔ ترانہ نے لاتعلقی سے کہا۔

'بھلا تو میں ہوں۔ لیکن کیا تمہارا دل کبھی اس بھلے آدمی کے لیے دھڑکا'۔ امید بھری
نظروں سے تیمور نے ترانہ کو دیکھا۔

''نہیں... کبھی نہیں... میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ آپ کے ساتھ کام کر کے مجھے برا
محسوس نہیں ہوتا۔ میرے احساسات ایسے ہیں جیسے ایک دوست کے ساتھ استوار ہوتے
ہیں''۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"چلو دوست تو سمجھا تم نے مجھے۔ یہ میری کامرانی کی پہلی سیڑھی ہے"۔ تیمور
یوسیت کے سائے اپنے چہرے پر نمایاں ہونے سے پہلے ہی دبانے میں کامیاب ہو گیا۔

"کل کا پروگرام مرتب کیا ہے یا نہیں"۔ اپنی خفت مٹانے کے لئے تیمور نے پوچھا۔

"کل گھر آ جانا۔ ہاسپٹل کو فون کرنا ہے۔ ایئر پورٹ میں ریکارڈ چیک کرنے ہیں"۔

"کس کے؟"

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ بابر، مرینہ، سیٹھ جمشید، پرنسپل ایاز ملک سے باہر کبھی گئے۔ کام آصفہ انجام دے سکتی ہے"۔

باب ۹

ترانہ اور آصفہ سیٹھ جمشید کی مِل کی جانب کار دوڑا رہی تھیں۔

آج مِل میں کچھ تفتیش اور جنرل منیجر صفدر صاحب کے ساتھ میٹنگ تھی۔

ترانہ کسی اندرونی طاقت کے زیرِ اثر جمشید صاحب کے کردار کو واضح طور پر سمجھنا چاہتی تھی۔

ان کی تصویر دیکھ کر مقناطیسی لہریں اس کو کھینچ لائی تھیں۔ وہ مکمل طور پر اُن کی شخصیت کو سرِ منظر لانا چاہتی تھی۔

یہ ترانہ کے نجی اغراض و مفاد پر مبنی تھا یا کیس کے لئے اہم ترانہ یہ فیصلہ نہ کر پا رہی تھی۔

وہ اپنے آپ کو تسلی بخش جواب نہ دے پا رہی تھی کہ کس بنا پر اپنا قیمتی وقت سیٹھ جمشید کے لئے وقف کیا۔

آدھے گھنٹے بعد مِل کے گیٹ سے گزر کر استقبالیہ آفس کے سامنے آصفہ نے کار پارک کی۔

صفدر صاحب باہر دونوں کے منتظر تھے۔ کار کو دیکھ کر ان کی طرف بڑھے۔ ترانہ اور آصفہ نے کار سے نکل کر صفدر صاحب کو سلام کیا

"آداب صفدر صاحب"۔

"آداب آیئے... دائیں طرف میرا آفس ہے"۔ صفدر صاحب آگے اور دونوں پیچھے چل کر بہت بڑے اور شاندار آفس میں داخل ہوئیں۔

بڑے ماڈرن اور سجلِ فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دروازے کے مدِ مقابل کھڑکی کے پاس

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

بہت بڑا ڈیسک۔

اس کے ایک طرف آرام دہ کرسی جو کہ صفدر صاحب کی تھی۔ سامنے چار کرسیاں تھیں۔ ڈیسک کے بائیں جانب کریم رنگ کا صوفہ سیٹ اور درمیان میں خوبصورت میز تھی جس پر تازہ پھولوں کا گلدستہ بہار کی نشاندہی کر رہا تھا۔

''آیئے بیٹھے ادھر''۔صفدر صاحب نے ترانہ اور آصفہ کو صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ دونوں بیٹھ گئیں۔

''صفدر صاحب کیا آپ کو آگہی ہے کہ ہم سیٹھ جمشید کی گمشدگی کے کیس پر تعین ہوئی ہیں''۔

''میں باخبر ہوں۔بیگم جمشید نے مجھے مطلع کیا۔انہوں نے تاکید کی کہ میں آپ کو تمام معلومات فراہم کروں۔ بتائیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں''۔

''جمشید صاحب کی شخصیت کے بارے میں کچھ روشنی ڈالیے''۔ترانہ نے پوچھا

''جمشید صاحب انتہائی فرض شناس،انسانیت کے ہمدرد اور فرشتہ صفت انسان تھے۔کبھی کسی کو ضرر نہیں پہنچایا۔غریبوں کے دوست اور حمایتی تھے۔ کتنے ہی غریب خاندانوں کے سربراہ تھے وہ ان کی دستِ شفقت کے سائے تلے پل رہے تھے۔اللہ تعالی ان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے''۔صفدر صاحب نے دعائیہ انداز میں بولے۔

''صفدر صاحب آپکی آخری ملاقات کس دن ہوئی۔ اس کے بارے میں بتائیے''۔ آصفہ نے سوال اٹھایا۔

''جمعہ کے دن وہ اپنے معمول وقت پر تشریف لائے۔میرے لئے تمام کام مختص کئے۔ دوپہر کھانا کھانے کے بعد وہ آفس نہیں آئے''۔

''دوپہر کا کھانا کہاں کھاتے تھے''۔ترانہ نے مزید وضاحت چاہی۔

''یہ ان کا معمول تھا۔عموماً اپنی بیٹی مرینہ اور داماد بابر کے ساتھ''۔

''تو کیا اس جمعہ کے دن بھی وہ مرینہ اور بابر کے ساتھ کھانے کے لئے گئے''۔ترانہ نے

www.pakistanipoint.com

تفشیش بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''مرینہ اس دن علیل تھی۔وہ آفس نہیں آئی لیکن بابر کے ساتھ حسبِ معمول کھانے کے لئے گئے''۔

''کیا جمشید صاحب واپس دفتر آئے کھانے کے بعد؟''۔

''نہیں...اس دن کے بعد جمشید صاحب کو کسی نے نہیں دیکھا۔نہ جانے کہاں روپوش ہو گئے''۔

''کیا بابر واپس آیا؟'' آصفہ نے سوالیہ نگاہوں سے صفدر صاحب کی طرف دیکھا

''ہاں۔اس نے مجھے مطلع کیا کہ جمشید صاحب بزنس کے سلسلے میں کسی کو ملنے چلے گئے تھے''۔

''بابر کس ٹائم واپس آیا؟'' آصفہ نے کریدتے ہوئے پوچھا

''تین گھنٹے بعد''

'تین گھنٹے بعد!!!''۔ترانہ اور آصفہ نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا

''کھانے کے لئے کیا تین گھنٹے چاہیئے؟''ترانہ نے حیرانگی ظاہر کیا اور پھر بولی''میں تو سرف دس منٹ لیتی ہوں۔صفدر صاحب آپ کتنا ٹائم لیتے ہیں کھانا کھانے میں؟''ترانہ نے چہکتے ہوئے پوچھا

'میں بھی...میرا خیال ہے تین گھنٹے سے کم لیتا ہوں''۔صفدر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا

''تو پھر بابر نے تین گھنٹے کہاں گزارے۔'' آصفہ نے گہری سوچ کے سمندر سے ابھرتے ہوئے کہا

''یہی تو سوچنے کی بات ہے''۔ترانہ اپنی گردن ہلاتے ہوئے بولی

''جمشید صاحب کا آفس دکھاؤں آپ کو شاید کچھ اہم نکات مل جائیں تفشیش بڑھانے کے لئے''۔صفدر صاحب نے کہا

''چلئے۔''ترانہ نے جواب دیا

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

صفدر صاحب کوری ڈور کی جانب بڑھے۔ آفس کا ماحول صاف ستھرا اور خوشگوار تھا۔

صفدر صاحب سفید دروازے کے سامنے رک گئے۔ جیب سے چابی نکالی اور قفل کھولا۔ سب اندر داخل ہوئے۔ یہ آفس پہلے سے بھی کشادہ تھا اور نفیس طریقے سے سجایا گیا تھا۔ سجاوٹ سے مالک کا ذوق وشوق جھلک رہا تھا۔ دیوار پر جمشید صاحب کی بہت بڑی تصویر آویزاں تھی۔

آفس میں گھستے ہی ترانہ کی نظریں تصویر پر منجمد ہو گئیں۔ یہ انسان اتنا مانوس اور اپنائیت کا پیکر۔ ان کی آنکھوں میں سوالیہ نشان چسپاں کیوں ہے؟۔

''جمشید صاحب کے اپنی بیٹی مرینہ کے ساتھ کیسے تعلقات تھے؟''۔ آصفہ نے اچانک غیر متوقع سوال اٹھایا

''جمشید صاحب اپنی بیٹی سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کبھی بھی دکھ کے سائے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ مرینہ کی ہر خواہش پوری کرنا فرضِ اولین میں شامل رکھتے''۔

''اس سے نتیجہ تو یہی اخذ ہوتا ہے کہ مرینہ کبھی دکھی نہ ہوگی۔ آپ نے کبھی مرینہ کو دکھی دیکھا؟''۔ ترانہ نے صفدر صاحب کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں نے کئی بار مرینہ کے چہرے پر دکھوں کے بادل دیکھے''۔ صفدر صاحب کے چہرے پر اداسی کی لہر چھا گئی۔

''اس دنیا کی سب نعمتیں مرینہ کے قدموں کے تلے تھیں تو پھر اس کو کیا دکھ ہو سکتا ہے؟''۔ ترانہ نے دھیمی ورسان لہجے میں سوچوں کی گہرائی میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

''یہی تو...سوچنے کی بات ہے...ترانہ اگر تمہارے پاس دنیا کی ہر چیز موجود ہو...تو بتاؤ کیا چیز تم کو دکھی کر سکتی۔ تمہاری چھٹی حس کیا کہتی ہے...؟''۔ آصفہ نے فلاسفی جھاڑتے ہوئے پوچھا۔

ترانہ نے چپ سادھ لی۔ کچھ ثانیے کے بعد وہ بولی۔

''اوں...شاید...پیار کی کمی...دل میں چبھتی ہوئی خلش یا پھر...'' ترانہ بڑی دور کی کوڑی

لائی۔

''سو فی صد درست...پیار کی کمی...لیکن کس کے پیار کی کمی...والد کے پیار کی کمی...یا ماں کے پیار کی کمی؟''۔

''نہیں...والدین کے پیار میں کمی ناممکن ہے...'' ترانہ جیسے خود سے مخاطب تھی پھر معاً بلند آواز میں چیخی ''بابر کے پیار میں کمی تھی''۔ انکشاف انگیز لہجے میں ترانہ نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔

''چلو مانا...لیکن کیوں؟'' آصفہ کی آنکھیں سوالیہ نشان بن گئیں۔

''صفدر صاحب یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ وہ دونوں آپ کے ساتھ بیشتر گھنٹے گزارتے تھے۔ بابر اور مرینہ کے تعلقات کیسے تھے؟'' ترانہ نے دامنِ سوال پھیلایا۔

''بظاہر اچھے...لیکن بعض اوقات میں نے بابر کو بحث و جھگڑا کرتے دیکھا ہے۔ مرینہ کو چھپ کر آنسو بہاتے دیکھا ہے''۔

''کیا جمشید صاحب ان جھگڑوں سے باخبر تھے''۔ آصفہ نے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں...بالکل نہیں''۔

''سیٹھ جمشید اور بابر کے تعلقات کیسے تھے؟'' ترانہ نے دوٹوک پوچھا۔

''جب بھی وہ دونوں ایک کمرے میں موجود ہوتے تو کمرے کا ماحول کاٹنے کو دوڑتا۔ زہر آگین دھند پھیل جاتی تھی۔ سیٹھ جمشید بابر کی شخصیت کو یقیناً ناپسند کرتے تھے۔ لیکن لب کشائی سے احتراز کرتے کیونکہ اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتے تھے۔ بابر مرینہ کی پسند تھا۔ سیٹھ جمشید نے بہت مزاحمت کی لیکن کچھ نہ کر سکے۔ بالآخر ہار مان لی''۔

''بابر پر کتنا بھروسہ کرتے تھے؟'' ترانہ نے بے ساختگی سے پوچھا۔

''بالکل نہیں۔ کڑی نظر رکھتے تھے''۔ صفدر صاحب نے خدشہ ظاہر کیا۔

''سیٹھ جمشید کے آفس کو استعمال کرنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ میں تالا لگا کر رکھتا ہوں۔ مس ترانہ میں آپ کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ تسلی کے ساتھ اپنی تفتیش

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کریں"۔

صفدر صاحب آصفہ اور ترانہ کو چھوڑ کر اپنے آفس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ترانہ نے بھاگ کر آفس کا دروازہ لاک کر دیا۔ آصفہ ڈیسک کے دراز کو کھول کر کاغذوں کو اتھل پتھل کرنے لگی۔ اس امید پر کہ شاید کوئی تحریر و مصدقہ ہاتھ لگ جائے۔ ان تھک کوششوں کے باوجود کچھ نہ ملا۔ ترانہ اپنا منہ بسور کے تصویر کے سامنے بیٹھ کر ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگی۔ کہنیاں ڈیسک کے اوپر رکھے اپنا منہ دونوں ہاتھوں میں تھامے سوچوں میں گم تھی۔ ترانہ کو یوں لگا جیسے سیٹھ جمشید کی آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔ پھر اچانک کوئی خیال اس کے دماغ میں کوندا۔ وہ اسپرنگ کی طرح اٹھی۔ انگلیوں سے چٹکی بجائی اور چلائی۔

آصفہ اس تصویر کے پیچھے ضرور کچھ ہے۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ اس تصویر کے پیچھے ضرور کچھ ہے۔ چلو اس فریم کو نیچے اتارو۔ دونوں نے جلدی سے دو کرسیاں کھینچ کر فریم کے نیچے رکھیں۔ چڑھ کر فریم کو دونوں اطراف سے پکڑا۔ تصویر خاصی بھاری تھی۔ بڑی احتیاط برتتے ہوئے ڈیسک کے اوپر رکھ دی۔ فریم کو الٹا دیا۔ فریم کو ٹھوکنا شروع کر دیا۔ پھر رک گئی۔ فریم پر ایک سوراخ نظر آیا۔ سوراخ کے اندر انگلی ڈال کر فریم کو کھینچا۔ فریم اور گتہ علیحدہ ہو گیا۔ آصفہ اور ترانہ چونک گئیں۔ قالین پر سرخ رنگ کی ڈائری گر پڑی۔ دونوں کی بے صبری عروج پر تھی۔ وہ دونوں چیل کی طرح جھپٹیں۔ ترانہ سبقت لے گئی۔ ڈائری پر مرینہ سہیل لکھا تھا۔ ترانہ نے ڈائری کھولی اور عجلت میں پڑھنے لگی۔

۳۰ نومبر ۲۰۰۰ء

بابر کا رویہ میرے ساتھ سفاکانہ سا ہوتا جا رہا ہے۔ وہ انتہائی سنگدل اور مکار انسان نکلا۔ بسا اوقات پیسے مانگتا رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے وہ اتنے پیسوں کے ساتھ۔ گھر لیٹ آنا شروع کر دیا۔ اُس کی محبت میں پہلے والی گرمجوشی نہیں رہی۔ میری روح تشنہ اور من پیاسا رہتا ہے۔ میں بابر سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اُس کے بنا زندگی ادھوری لگتی ہے۔

۳ دسمبر ۲۰۰۰ء

بابر رات کے دو بجے آیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو لال بھبوکا ہو گیا۔ میں نے بابر کو دھمکی دی کہ میں پاپا کو بتا دوں گی۔ یک لخت اس کا چہرہ تلخ اور لہجہ ترش ہو گیا۔ وہ برہم موڈ میں پاؤں پٹختا ہوا گھر سے نکل گیا۔ رات کو کب واپس آیا مجھے قطعی علم نہیں۔ میں روتے روتے سو گئی۔

۸ دسمبر ۲۰۰۰ء

میری طبعیت ناساز ہے۔ میں آفس بھی نہیں گئی۔ پاپا اور بابر لنچ کرنے گئے لیکن لنچ کے بعد پاپا آفس نہیں لوٹے۔ پاپا واپس نہیں آئے۔ میں اور امی رات گئے بیٹھے رہے ان کے انتظار میں۔

۱۰ دسمبر ۲۰۰۰ء

امی اور میں پولیس اسٹیشن گئے۔ گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی۔ تمام ہاسپٹل سے پتہ کروایا۔ پاپا کا نام و نشان بھی نہ مل سکا۔ نہ جانے پاپا کہاں روپوش ہو گئے۔ مجھے اور امی کو ایک پل بھی چین نہیں آ رہا۔ دل و دماغ میں بُرے خیالات جنم لینے لگے۔ یا اللہ خیر۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۰

پو پھٹ چکی تھی۔

باریک کرن نے تاریکی کا سینہ چیر دیا۔

چاروں طرف ملگجا سویرا چھا گیا۔

سورج بڑی عجلت سے سر اٹھانے لگا۔

موسم میں خنکی آ گئی تھی۔رات بھر کی بارش سے فضا میں گیلا پن آ گیا تھا۔

صبح انتہائی دلکش نظر آ رہی تھی۔آج تیمور اور ترانہ نے اکھٹے کام کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

نہ جانے کیوں ترانہ کی آنکھیں تیمور کی منتظر تھیں۔

گھڑی کی سوئیاں جیسے تھم سی گئیں تھیں۔

ارمان کے بعد تیمور ہی ایسا شخص تھا جس کے لیے وہ بے تاب تھی۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟...کہیں مجھے تیمور سے محبت تو نہیں ہوگئی۔محبت...محبت کر کے دیکھ تو لیا...کیا ملا...صرف محرومیاں، کلفتیں، الجھنیں، تنہائیاں، اندھیری راتیں...محبت کے لیے میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔مجھے ابھی بہت کام کرنے ہیں"۔

اچانک دروازہ کی گھنٹی بجی اور وہ سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں کے تہوں سے باہر آئی۔

سیڑھیوں سے اتر کر اپنے آفس تیزی سے بڑھی۔ترانہ نے نیچے گھر کا ایک کمرہ آفس میں منتقل کر دیا۔تیمور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔

"آداب تیمور۔کیسے مزاج ہیں؟"۔

www.pakistanipoint.com

"فرسٹ کلاس"۔تیمور بڑے اچھے موڈ میں تھا۔صابی کو ناشتہ تیار کر کے آفس میں لانے کو کہا۔صابی دس منٹ ٹرالی دھکیلتی ہوئی آئی۔ناشتہ اور چائے پیش کی۔

"تیمور...یہ والی مرینہ...مسز جمشید کی بیٹی نہیں ہے"۔ترانہ نے دھماکہ کیا۔

"تو کون ہے؟۔تم نے ہی تو کہا تھا کہ مسز جمشید نے مرینہ سے تمہارا تعارف کروایا تھا"۔تیمور نے اچنبھے سے ترانہ کو دیکھا۔

'ہاں۔مجھے شک ہے کہ اُس کا چہرہ دراصل مرینہ جیسا ہے۔لیکن وہ مرینہ نہیں ہے۔کوئی اور ہے۔وہ اور بابر مل کر بہت گہری چال چل رہے ہیں۔بابر اور زیبا پر کڑی نظر رکھنی پڑے گی۔اُن کی سابقہ زندگی کا گہرا مشاہدہ کرنا پڑے گا"۔

"ہم کو ٹھوس استدلال چاہیے۔محض قیاس پر مبنی خیالات بے وزن ہیں"۔

"تفتیش کر رہی ہوں۔ابھی تک تو مجھے کوئی ٹھوس استدلال ہاتھ نہیں لگا"۔

"کہاں؟"۔

"ایئر پورٹ پر اور لیاقت کالج میں۔میں زیبا کے متلق تحقیقات کرنا چاہ رہی تھی"۔

"پہلی دفعہ ذکر ہو رہا ہے زیبا کا۔کون ہے وہ؟"۔تیمور نے استعجاب سے پوچھا۔

"زیبا مرینہ اور تیمور کی دوست تھی"۔

"تو کیا دوستی جرم ہے؟"

"نہیں لیکن کسی کا محبوب چرانا اخلاقی گناہ ہے"

"اوں..."

"مجھے شک ہے زیبا ہی مرینہ کا روپ دھارے ہوئی ہے"۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ ماں بھی اپنی بیٹی کو نہ پہچان سکے"۔

"شکل تو ایک جیسی ہے تو پھر کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے..حتیٰ کہ..ماں تک کا پہچاننا مشکل ہو گیا ہو گا"۔

"تمہاری تھیوری یہ ہے کہ زیبا اور بابر نے مرینہ کو قتل کر دیا۔پھر تمام جائیداد کے مالک

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

بن گئے۔حتیٰ کہ مسز جمشید بھی صحیح حالات سے ناواقف ہیں"۔تیمور نے اپنا قیاس بیان کیا۔

"بالکل درست...سوفی صد درست"۔

"اچھا..تو ثبوت کیا ہے تمہارے پاس اس کا"۔

"یہی تو نہیں ہے"۔

اس اثنا میں آصفہ آفس میں داخل ہوئی۔

آصفہ ایئر پورٹ فون کر کے پتہ کرو۔پانچ سال پہلے مرینہ، بابر، زیبا نامی افراد بیرون ملک گئے یا نہیں۔تمام ہاسپٹل میں چیک کرنا ان چاروں میں سے کوئی بھی زخمی حالت یا بیماری کے عالم میں لایا گیا۔

"او۔کے"۔

"تیمور لیاقت کالج چلو"۔ترانہ گھر سے نکل کر کار کی طرف بڑھی۔دونوں کار میں بیٹھے۔تیمور نے لیاقت کالج کی طرف کار کو موڑا۔

لیاقت کالج میں پرنسپل صاحب نے زیبا اور بابر کے ریکارڈ کی فائلیں ترانہ کو تھما دیں۔

ترانہ اور تیمور نے پرنسپل کا شکریہ ادا کیا۔"زیبا کی ان دونوں کی تصویریں شاید سالانہ رسالے میں ہوں"۔تیمور نے اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ہوسکتا ہے۔گھر جا کر رسالہ دیکھنا پڑے گا۔مجھے سو فی صد یقین ہے وہ مرینہ اور بابر کے ساتھ پڑھتی ہوگی"۔ترانہ نے حتمی انداز میں کیا۔

"اگر مرینہ زیبا ہے تو اس کی شکل اصلی مرینہ جیسی کیسے ہوگئی"۔تیمور نے بڑی دھیمی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"ہاں یہ گتھی سلجھانی پڑے گی کہ وہ زیبا سے مرینہ کیسے بنی۔کیوں اور کب؟"۔ترانہ بولی۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے تیمور نے ترچھی نظر سے ترانہ کو دیکھا۔

"مرینہ کو تو بابر حاصل کر چکا تھا اور دولت بھی تو پھر کیوں اس کو قتل کیا...بابر نے مرینہ

کو...میں اس منطق کو سمجھنے سے قاصر ہوں"۔

"میرا خیال ہے کہ بابر مرینہ سے نہیں زیبا سے محبت کرتا ہوگا۔زیبا اور بابر نے مل کر یہ سکیم بنائی۔پھر اس کو عملی جامہ پہنایا"۔

"مجھے زیبا اور بابر بڑے سفاک لگتے ہیں۔قتل تو بہت ہی جارحانہ قدم ہے۔اس کو کہتے ہیں الٹی چھری سے حلال کرنا"۔ترانہ نے پُر ملال لہجے میں کہا۔

"میرا دل کہتا ہے بابر اور زیبا نے اپنی اُریب سکیم کے تحت پہلے سیٹھ جمشید کو قتل کیا، پھر مرینہ کو..."۔ترانہ بلند آواز میں سوچ رہی تھی۔

"اگر زیبا اور بابر مرینہ اُس زمانے میں بیرونِ ملک گئے تو سمجھو زیبا مرینہ کے روپ دھارے ہوئے ہے"۔ترانہ نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

"ملک سے باہر جانے کا قتل کے ساتھ کیا تعلق"۔تیمور کنفیوز ہوگیا۔

ترانہ کے گھر پہنچ چکی تھی۔اپنے کاغذات کا پلندہ اٹھائے ہوئے آفس پہنچے۔ترانہ آگے آگے اور تیمور پیچھے پیچھے۔

ترانہ دھڑام سے ایک صوفے پر گری۔تیمور ترانہ کے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہوگیا۔

"تعلق ہے کیونکہ جاتے وقت وہ زیبا تھی اور آتے وقت مرینہ"۔ترانہ نے اپنی مخصوص پراسرار لہجے میں کہا

"وہ کیسے"۔

"وہ اس طرح کہ جاتے وقت اس کا چہرہ زیبا کا تھا۔آتے وقت مرینہ کا چہرہ..."ترانہ نے فلسفانہ انداز میں کہا۔

"او...سمجھا...بڑی دور کی کوڑی لائی"۔

"جی ہاں...لیکن ملک سے باہر کونسے ڈاکٹر کے پاس گئے۔یہ ہم کو چھان بین کرنا پڑے گی"۔

"تمہارا مطلب ہے پلاسٹک سرجن"۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"یس سر"۔

آصفہ کمرے میں داخل ہوئی۔شام کے چھ بج چکے تھے۔تیمور اور ترانہ نے صبح سے کچھ نہ کھایا تھا۔

"ترانہ... ہاسپٹل میں تو کوئی زخمی ہو کر نہیں گیا"۔

"اور ایئر پورٹ سے کیا خبر ہے؟"۔

ایئر پورٹ سے زیبا اور بابر کے سفر کی تفصیلات موصول کی ہیں"۔آصفہ نے پرنٹ آؤٹ ترانہ کو دے دیئے۔

تیمور نے آصفہ کو لندن کے لئے تین ٹکٹ بک کروانے کے لئے کہہ ڈالا۔

"کون جائے گا؟"۔

"میں تم اور آصفہ"۔

"جانے سے پہلے میں مسز جمشید کے گھر کا ایک بار پھر چکر لگاؤں گی۔مجھے کچھ اور تفصیلات چاہیئے"۔

"کونسی؟"۔

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔اگر کچھ لیڈ ملی تو بتاؤں گی"ترانہ نے سرعت سے ٹیلی فون اٹھایا۔مسز جمشید کا نمبر گھمایا۔

"ہلو آنٹی میں ترانہ بول رہی ہوں"۔

"ہلو ترانہ بیٹی بڑے دنوں سے دل چاہ رہا تھا ملنے کو"۔

"کچھ مزید باتیں کرنی ہیں۔میں کل دس بجے آؤں گی۔مرینہ ہو گی کل"۔

"نہیں...وہ تو چھ سات بجے گھر لوٹتی ہے"مسز جمشید معذرتانہ لہجے میں بولیں۔

یہی تو میری منشا تھی۔سونے پر سہاگہ۔ترانہ نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

جب سے مسز جمشید سے مل کر آئی تھی دل میں نامعلوم بے نام کے جذبات جاگ اٹھے تھے۔

ترانہ کو ان سے فطری لگاؤ اور انسیت محسوس ہوئی۔

صابی نے کھانا لگ دیا۔سب اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔آج صابی نے دو تین چائنیز کھانے تیار کئے تھے۔

وہ جانتی تھی تیمور کو بہت پسند ہیں۔صابی بہت احسان مند تھی تیمور کی۔انہوں نے بر وقت مالی مدد کر کے احسان کیا تھا۔

"چوکی داروں کو کھانا وقت پر دیتی ہو یا نہیں صابی"۔ترانہ نے پوچھا۔

"بی بی جی یہ بھی کوئی بھلانے والی بات ہے بھلا"۔صابی نے احتجاج بھرے لہجے میں کہا

"اپنی اور میری پیکنگ کر لو آصفہ"۔ترانہ نے کہا پھر سوچتے ہوئے توقف کے بعد کہا۔

"میرے پاس زیادہ گرم کپڑے نہیں ہیں۔لندن میں تو ٹھنڈ ہو گی"۔ترانہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"وہاں جا کر فوراً گرم کپڑے خرید لیں گے"۔تیمور نے جلدی سے کہا۔

کھانا کھانے کے بعد سب ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔کافی پی کر تیمور اٹھا۔

"چلو ذرا جھیل تک چہل قدمی کر لیں"۔تیمور ملائمت سے بولا۔

آہستہ آہستہ شانہ بشانہ چلتے ہوئے وہ جھیل کے پاس پہنچے۔

ذرا فراغت ملی تو ترانہ کے بھرے بھرے جسم کے نشیب و فراز پر نظر ڈالی۔سارے دن کی تھکن دور ہو گئی۔

تمام دن کی تھکن باوجود ترانہ کا حسن بھٹی کی طرح تپ رہا تھا۔

ماہ لقا،ماہ رخ،ماہ پیکر لمبے لمبے کالے بال سینے پر بل کھا رہے تھے۔

تیمور کا سکون لوٹ لیا تھا ترانہ کے جوان روپ نے۔دل و دماغ کو سکون تہہ و بالا ہو گیا تھا۔

ترانہ کے حسن میں ڈوبا رہتا تھا۔تیمور ترانہ کے حسن کا پجاری تھا۔وہ تیمور کی روح،جانِ راحت بن چکی تھی۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

مٹگجی اندھیرے نے فضا کو لپیٹ لیا تھا۔ سڑک کے کنارے پر بلب جل اٹھے۔ ماحول میں تھوڑی ٹھنڈ اُتر گئی جو بہت بھلی لگ رہی تھی۔

ہوا کے پُرسکون جھونکے دونوں کے جسموں کو طراوت بخش رہے تھے۔ شب کا ریشمی آنچل معطر فضاؤں میں نرم نرم انگڑائیاں لے رہا تھا۔

جھیل کے کنارے پر کچھ بنچ پڑے تھے۔ ترانہ ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔

چودھویں کا چاند اپنی تمام تر خوبصورت اور رعنائیوں سے دونوں کو اوپر سے دیکھ رہا تھا۔

تیمور اپنا دائیں بازو کی کہنی گھٹنے پر اور ہاتھ اپنے منہ پر رکھے محجوب سی نظروں سے ترانہ کو دیکھتا رہا۔

دونوں خاموش تھے۔

ترانہ نے پہلی بار تیمور کو گہری نظروں سے دیکھا۔

وہ مردانہ وجاہت حسن و جلال، خوبصورتی کا پیکر، کسرتی بدن، لانبا قد، سفید رنگ اور گھنگھریالے بال جو ہر دم ماتھے کو چومتے رہتے۔

لمحے کے لئے ترانہ کو وہ ارمان لگا۔ وہ اسپرنگ کی طرح اٹھی۔ لاشعوری طور پر اپنے دائیں ہاتھ سے تیمور کے بالوں کو پیچھے ہٹایا۔

جب ترانہ کو محسوس ہوا کہ معیوب حرکت کر بیٹھی۔ تو ٹھٹکی۔ پھر پیچھے بنچ پر گری۔

دونوں ہاتھوں میں اپنا دلکش چہرہ لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''کیا ہوا ترانہ رک کیوں گئی؟'' تیمور بولا۔ ترانہ کی اس حرکت سے دل میں جلترنگ بجنے لگے۔

ترانہ نے چپ سادھ لی۔ وہ قدرے خفیف ہوئی۔ منہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''میں جانتا ہوں تم ارمان کو بھول نہ پائی۔ کتنے ہی سالوں کی سنگت بھولنے میں کافی وقت درکار ہے... میں سمجھتا ہوں''۔

''تیمور پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے بھول کر اپنی منگیتر سے شادی کرلو''۔

''ترانہ میرا دل مت دکھاؤ... میں کسی اور کا نہ ہو پاؤں گا۔ یہ تو سراسر دھوکہ ہوگا شاہانہ کے ساتھ میں۔ میں انتظار کرسکتا ہوں تمہارا تا عمر''۔

چاند کی ہلکی ہلکی چاندنی چھٹکی تھی۔ دونوں وجود دودھیا چاندنی میں نہائے ہوئے تھے۔ موسم میں رومانیت بکھری ہوئی تھی۔

''چاند کو تو دیکھو کتنا خوبصورت ہے... کیا کہہ رہا ہے؟'' تیمور نے ترانہ کا دھیان چاند کی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے نہیں معلوم کیا کہہ رہا ہے؟'' ترانہ نے چاند کی طرف دیکھے بغیر نفی میں سر ہلایا۔

''موسم نشیلا ہے۔ اس کا لطف اٹھاؤ۔ کہہ رہا ہے کہ رُت جوان ہے اور تم اکیلی نہیں ہو اس بھری دنیا میں''۔

تیمور نے ایک ہاتھ سے ترانہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ترانہ نے خشمگین نظروں سے تیمور کو دیکھا اور ہاتھ جھٹکے سے چھڑا لیا۔

''اتنے حسین چاند کو نہ دیکھو گی''۔ تیمور نے اصرار کیا

ترانہ نے اپنی بھیگی بھیگی نگاہوں اٹھا کر چاند کی طرف دیکھا۔ ترانہ کو حسرت آمیز ویرانیاں یاد آگئیں۔

تشنہ تکمیل آرزوؤں کا مزار جس کو اپنے کندھوں پر لئے پھر رہی تھی۔

''اس چاند نے مجھے دھوکہ دیا۔ نزدیک آ کر پھر دور چلا گیا''۔ ترانہ بے اختیار بول اٹھی۔

''لیکن میرا چاند تو میرے سامنے زمین پر چمک رہا ہے۔ مجھے کسی اور چاند کی ضرورت نہیں''۔ تیمور نے دلفریب مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے ترانہ کا موڈ بدلنے کی خاطر چھیڑا۔ ترانہ کا چہرہ تمام جذبوں اور محسوساتی احساسات سے عاری تھا۔

''تم اکیلی نہیں ہو... میں زندگی کے آخری دن تک تمہارے ساتھ ہوں... تم کو تنہائی کی مہیب گھاٹیوں میں گرنے نہ دوں گا''۔ تیمور نے یقین دہانی کی۔

''نہ جانے قدرت کو کیا مصلحت منظور تھی جو میرا ساتھی چھین لیا''۔ ترانہ نے رندھی ہوئی

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

لرزتی کپکپاتی آواز میں معصوم اور بھولے بھالے انداز میں بولے جارہی تھی۔

آخر اس کا دکھ لفظوں کی شکل میں زبان پر آ گیا۔

"اللہ کے دینے کے ہزاروں ہاتھ ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہارے لئے ارمان سے بہتر جیون ساتھی ریزرو ہو گیا ہو"۔ تیمور نے ہلکے پھلکے مزاحیہ انداز میں آس دلائی۔

"میں اب محبت کے جذبات سے عاری ہوں"۔ ترانہ کے خوبصورت سراپے سے اداسی چھلک رہی تھی۔

"کیا میں تم کو بُرا لگتا ہوں؟"۔

"نہیں"۔

"اچھا لگتا ہوں"۔

"معلوم نہیں"۔

"امی منگنی کے لئے سخت دباؤ ڈال رہی ہیں۔ چاہتی ہیں لندن جانے سے پہلے چھوٹی سی تقریب رکھ لیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں۔ تم چاہو تو میں صاف انکار کر دوں۔ بتاؤ میں وہی کروں گا۔ جو تم چاہو گی"۔ ترانہ چپ رہی۔

"چلو جھیل کے پانی کے پاس جا کر بیٹھیں"۔ ترانہ اور تیمور پانی کے قریب چلے گئے۔ چاند جھیل میں جھانک رہا تھا۔

اس کی چاندنی پانی میں جھلمل کر رہی تھیں۔ نظارہ بہت ہی مسحور کُن تھا۔

تیمور اور ترانہ پانی میں چاند کا عکس دیکھنے کے لئے جھکے۔

ترانہ ذرا زیادہ جھکی ہوئی تھی۔ جھیل میں پھسل گئی۔ پانی گہرا تھا۔

ترانہ کی دلدوز چیخ نکلی۔ ترانہ ڈبکیاں لگانے لگی۔

ترانہ کا تمام جسم گیلا اور مرتعش تھا۔ زبان گنگ ہو گئی۔ چیخیں حلق میں اٹک گئیں۔

تیمور بھی پانی میں کود گیا۔ اس نے ترانہ کو پانی سے کھینچا۔ ترانہ بے ہوش تھی۔

ترانہ کو گود میں اٹھا کر تیمور نے گھر کی طرف رخ کیا۔ گیلے کپڑے ترانہ کے کسے

جسم کا ہر عضو کو نمایاں کر رہے تھے۔

تیمور کے جاگے ہوئے جذبوں پر کوڑے برسا رہے تھے۔ وہ از خود رفتگی کے عالم میں تھا۔

سناٹا فضا میں مسلط تھا۔

ترانہ کے ہونٹ پنکھڑیوں کی طرح نرم و نازک۔ ترانہ کے سینے زیر و بم شوخ لہروں کی طرح ابھر رہا تھا۔

تیمور کے بھڑکتے ہوئے احساسات کو مزید دھکا رہے تھے۔ تیمور کی مضبوط قوت ارادی کمزور ہوتی جارہی تھی۔ ترانہ کے جسمانی دوخال، جسم کی حدت اور خوبصورت پیکر تیمور کو دیوانہ بنا رہے تھے۔ بدن میں سنسناہٹ رگ و پے میں اُترنے لگی۔ ترانہ بے بس تیمور کی باہوں میں جھول رہی تھی۔ تیمور کا دل انوکھے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ اس پر جنون طاری تھا۔ ترانہ کے سرخ لب اس کو حسین گناہ کی ترغیب دے رہے تھے۔ وہ جھکتا گیا اور اس نے اپنے جلتے ہوئے ہونٹ ترانہ کے ہونٹوں پر ثبت کر دیئے۔ اپنی ذہنی تبدیلی پر حیرانگی اور خوف آنے لگا۔ اپنے بے باک اور گستاخانہ حرکتوں کو قابو میں رکھو۔ اپنے ذہن کو قفل لگا دو۔ وہ سوچوں میں غلطاں تھا۔ اپنے خیالات کی پستی پر حیران اور نادم تھا۔ وہ سوچنے لگا مجھے تو ترانہ کی دائمی رفاقت چاہیئے۔ وقتی تسکین نہیں۔ تیمور نے اپنی پُر تقدس اور پاکیزہ رشتے کا پاس رکھ لیا۔ ترانہ بے بس تیمور کی باہوں میں گری ہوئی تھی۔ اس اثنا میں گھر آ گیا۔ آصفہ اور سب لوگ پریشانی میں بھاگے آئے۔

"کیا ہوا ترانہ کو...؟" آصفہ پریشانی سے بوکھلا گئی۔

"کچھ نہیں جھیل میں پھسل کر گر گئی۔ بالکل ٹھیک ہے"۔ یہ کہہ کر تیمور نے ترانہ کو اُس کے بستر پر لٹا دیا۔

"آصفہ میں باہر جاتا ہوں۔ ترانہ کے کپڑے فوراً بدل دو"۔

آصفہ نے ترانہ کو شب خوابی کا گاؤن پہنایا۔ تیمور دروازے کے باہر منتظر تھا۔

تیزی سے اندر آیا۔ بستر پر ترانہ کے پاس بیٹھ گیا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"ترانہ...ترانہ...ہوش میں آؤ"۔ تیمور نے ترانہ کے گالوں کو ہلکے ہلکے تھپتھپایا۔ پھر ترانہ کو جھنجھوڑا۔ ترانہ نے آنکھیں کھولیں۔

تیمور کو اپنے بستر پر بیٹھے دیکھ کر گھبرا کر پھیلی خوفزدہ نگاہوں سے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا مجھے...میں بستر میں کیوں لیٹی ہوں؟"۔

"تم چاند کو دیکھ کر جھیل میں پھسل گئی تھی۔ کاش میں چاند ہوتا اور تم مجھ کو دیکھ کر پھسل جاتی"۔ تیمور نے شرارت بھری نظروں سے ترانہ کو دیکھ کر کہا۔

ترانہ متذبذب تیمور کو دیکھتی رہی۔ تیمور کا مزاحیہ ریمارک کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

"میں تو جھیل میں گر گئی تھی تو یہاں کیسے پہنچی۔ کون مجھ کو لے کر آیا یہاں"۔ ترانہ نے تیز لہجہ میں پوچھا

"یہ خاکسار لے کر آیا"۔ تیمور نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا

"آپ مجھے لے کر آئے...کس طرح؟؟"۔ ترانہ چین بہ چین ہو کر بولی۔

"میں تم کو گود میں اٹھا کر لایا تھا اور کس طرح؟"

"آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرا بدن چھونے کی۔ کس سے اجازت لی آپ نے"۔ ترانہ نے اپنا ناک سکیڑے ہوئے تیمور کو عتاب کا نشانہ بنایا

"کیا مطلب...؟؟ اجازت کے چکر میں۔۔تم کو پانی میں ڈوب جانے دیتا"۔ تیمور کا لہجہ بدل گیا۔

چہرے کے تاثرات میں ناخوشگواریت جھلکنے لگی۔ وہ یقیناً اَپ سیٹ تھا۔ پھر ناقابلِ یقین کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔

شاید خود فریبی کا شکار ہو گیا تھا۔ کچھ دیر وہ محسوس کرنے لگا کہ شاید ترانہ کے دل کے گوشوں میں اس کے لئے نرماہٹ آ چکی لیکن یہ تو خیالِ خام نکلا۔

ترانہ کے رویے میں بدستور اجنبیت کا قبضہ تھا۔ وہ پرانی روش پر قائم تھی۔ تیمور کے

چہرے پر کئی رنگ آ جا رہے تھے۔

"اتنا توہین آمیز رویہ اور تضحیک...تیمور کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔

"آخر تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو۔۔۔ترانہ...تم انتہائی عجیب عورت ہو...میں نے تمہاری جان بچائی۔ تم پانی میں گر کر بے ہوش ہو گئیں اور ڈبکیاں لگانے لگیں۔ کیا کرتا بتاؤ؟...کیا کرتا؟...تیمور پشیمانی اور خفت مٹانے کی کوشش کرتے ہو بولا۔

"ڈوب جانے دیتے مجھے...کسی کو میری کیا ضرورت ہے؟ شاید مر کر چین و آسودگی پا لیتی۔ بہر حال میں مشکور ہوں آپ نے میری جان بچائی میں آپکی قرضدار ہوں..."۔ ترانہ نے بے رحم انداز سے تیمور کو دیکھا اور کہا۔

تیمور گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔ سوچنے لگا "میں نے تو اپنی ہی جان بچائی تھی۔ ترانہ کاش تمہاری آنکھوں میں وہ چمک دیکھ لی ہوتی جس کا مجھے بے تابی سے انتظار تھا۔ قرض تو تمہاری وہ محبت بھری نظر چُکا جاتی"۔ لیکن حقیقت تو بالکل برعکس تھی۔ تیمور جو کہ ترانہ پر دل و جان سے فدا تھا۔ ترانہ کی خوابیدہ اور شرگین آنکھیں میں اپنے لئے محبت کی چاشنی چھلکتی دیکھنا چاہتا تھا۔

تیمور بڑی کرب ناک دردِ دل سے دوچار ہوا۔ ترانہ کے رویے سے جھنجھلا گیا۔ "میں جا رہا ہوں ترانہ...اپنا خیال رکھنا"۔ تیمور اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔

ترانہ اٹھی۔ کھڑکی سے تیمور کو جاتے دیکھتی رہی۔

دور تک کار کی چمکتی لائٹیں نظر آتی رہیں۔ پھر غائب ہو گئیں۔ وہ اپنی سوچ میں غلطاں تھی۔

خدارا معاف کر دو مجھے تیمور...تم نے متعدد انداز اور طریقوں سے مجھ پر اپنا پیار جتایا۔

تمہاری آنکھوں میں لاتعداد پیار کے سندیسے میرے لئے چھلکتے ہیں۔

لیکن میں دانستہ طور پر ہر احساسات ہر چند نظر انداز کرتی ہوں۔ ظاہرانہ طور پر تم سے لا تعلقی اور بے اعتنائی برتتی ہوں۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

یہ روکھا پن، سرد رویہ اور رعونت محض مصنوعی اور بناوٹی ہے۔ میں تو ازل سے محرومیت کا شکار ہوں۔ ماں باپ کے دست شفقت سے محروم رہی۔ منہ بولے والدین بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ ارمان کو چاہا۔ وہ بھی قدرت نے چھین لیا۔

نہ جانے کیوں تقدیر کی ستم ظریفی مجھے فریب پر فریب دیے جا رہی ہے۔

جس کو چاہتی ہوں وہی چھن جاتا ہے۔ کیا تا عمر تنہائی کی سولی پر چڑھی رہوں گی۔ کیا کبھی ازلی قرار پا سکوں گی؟۔

زندگی ہمیشہ بے رحم رہی۔

نہ جانے کب سے تیمور اس کو اچھا لگنے لگا۔ اس کی موجودگی میں وہ کیف و سرور میں ڈوب جاتی۔

گھمبیر پیار کی مٹھاس میں غوطے کھانے لگی۔ جسم کے رگ و ریشے میں وہ بس جاتا۔

لیکن ترانہ بڑی خوداعتمادی کے ساتھ ان محسوساتی اور جذباتی لہروں پر کنٹرول کر لیتی اور ذرہ بھر منکشف نہ ہونے دیتی۔

تیمور کلی طور پر ترانہ کے حواسوں پر چھا چکا تھا۔

اب وہ کیا کرے۔۔ دو تین سال سے ارمان کی یادوں کو اپنے سینے میں چھپائے بھٹک رہی تھی۔

وہ اپنی ہی نظروں میں مجرم بن بیٹھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ تیمور کے لئے پیار کا سلگاؤ ناقابلِ معافی فعل تھا۔

ارمان خدارا مجھے آزاد کر دو۔ اب مجھے اپنی زندگی جینی ہے۔ تیمور میری امیدوں کا چاند بن کر میری زندگی میں چمک گیا ہے۔

میری یہ ہی دعا ہے کہ تم اپنی دنیا میں خوش رہو۔ مجھے آزاد کر دو۔ ارمان... مجھے جینے دو... میں جینا چاہتی ہوں...

ترانہ کے حسین گالوں پر آنسو ڈھلک پڑے۔

یکدم ترانہ کو یوں لگا جیسے بہت بڑا بوجھ دل سے ہٹ گیا۔ بادل برسنے کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔

ترانہ خود کو آزاد محسوس کرنے لگی۔ آج تین سال بعد وہ آزادانہ ماحول میں سانس لے رہی تھی۔

ارمان کی یادوں کے چنگل سے فرار ملی۔ اب سوچ کا محور صرف تیمور تھا۔ کھڑکی سے ہٹ کر وہ واپس بستر پر لیٹ گئی۔

آئندہ خوشیوں کے جھولوں میں جھول کر نیند میں جکڑی گئی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۱

تیمور کے چہرے پر ناگوار تاثرات تھے۔

ترانہ کا تضحیک آمیز رویہ اور ناروا سلوک سے تیمور نا یقینی اور بے چینی کا شکار ہو گیا۔

ترانہ کے سابقہ رویئے سے بے حد خائف تھا۔ وہ سمجھتا شاید ترانہ کے تعلقات اُس کے ساتھ خوش گوار ہو جائیں گے۔ لیکن ایسا ناممکنات میں شامل ہوتا جا رہا تھا۔ یہی سوچ لئے اپنے گھر کے پورچ میں کار پارک کی۔ گھر اندر آیا۔

سیڑھیاں چڑھنے والا ہی تھا کی نیر سلطانہ متفکر چہرہ لئے پریشانی کے عالم میں تیزی تیمور کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''کیا بات ہے امی۔ آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں؟''

''ہاں بیٹا بات ہی کچھ ایسی ہے۔''

''بتایئے نا آخر کیا بات ہے؟''

''شاہانہ نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔'' نیر سلطانہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ تیمور دم بخود ہو گیا۔ اپنی اندرونی مسرتوں کی لہروں کو چھپانے میں کوشاں ہو گیا۔

''کوئی وجہ تو ہو گی''۔ تیمور نے دامنِ سوال پھیلایا۔ دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ شکر کر رہا تھا کہ بلا سر سے ٹلی۔ ورنہ آنتیں گلے تک آن پہنچی تھیں۔

چلو اچھا ہوا انکار شاہانہ کی طرف سے ہوا ورنہ سب مجھ کو بُرا بھلا کہتے۔ امی تو اپنی چہیتی بھانجی کی خاطر مجھے ہزار صلواۃ سناتیں۔

''شاہانہ مجھے صحیح صورتِ حال بتانے سے گریز کر رہی ہے۔ عذر تراشی کر رہی ہے۔ میرا

خیال ہے تم اس کا عندیہ تو لو''۔

''شاہانہ کہاں ہے؟''۔

''اپنے کمرے میں''۔

تیمور شاہانہ کے کمرے کی طرف لپکا۔ شاہانہ کے کمرے پر ہلکی تھاپ دی۔

''دروازہ کھلا ہے آ جایئے''۔ اندر سے مہین آواز آئی۔ تیمور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

شاہانہ کرسی پر بیٹھی ناول پڑھ رہی تھی۔ تیمور کو اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کر چونکی۔

''زہے نصیب... آپ اور میرے کمرے میں... یہ عزت افزائی کس خوشی میں ہمیں بخش رہے ہیں؟'' شاہانہ خوش دلی سے بولی۔

''آپ کی ذرہ نوازی ہے... کام کی نوعیت ہی ایسی ہے آئے بغیر رہا نہیں گیا''۔

''بتایئے میں ہمہ تن گوش ہوں''۔

''تکلف برطرف... یہ بتایئے آپ شادی سے انکار کیوں کر رہی ہیں؟''

''تو کیا یہ آپ کی دلی آرزو نہ تھی کہ یہ بناوٹی رشتہ اختتام پذیر ہو۔ اس لئے میں نے شادی سے انکار کر دیا''۔

''نہ جانے مجھے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ وجہ کچھ اور ہے''۔

''ہاں۔ میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ خالہ جان کے ڈر سے چپ رہی''۔ شاہانہ بے اختیار ہو کر بولی۔

بالآخر حقیقتوں سے پردہ اٹھ گیا۔ تیمور حیرت سے منجمد ہو گیا۔ کچھ لمحے توقف کے بعد شاہانہ سے پوچھا۔

''کون ہے وہ؟؟''

''دانیال''

''دانیال؟؟؟'' کب اور کہاں ملیں تم اُس کو؟؟...''۔ تیمور کا تجسس عروج پر تھا۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"ہم یونیورسٹی میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ دانیال دوسال سینئر تھا۔ وہ یونیورسٹی کے بعد کام کرنے لگا۔ میں اپنی پڑھائی ختم کر کے گھر بیٹھ گئی۔

سالانہ ڈنر پارٹی میں ہم دوبارہ ملے تو دانیال نے پروپوزل دیا۔ میں نے ہاں کر دی۔ معاملہ بہت بڑھ چکا ہے اب جو کرنا ہے آپ نے ہی کرنا ہے"۔

"کیا چاہتی ہو مجھ سے؟...یقیناً تم نے اپنے ذہن میں لائحہ عمل مرتب کر لیا ہوگا۔ بلا تاخیر مجھ پر آشکارا کرنے کے لئے بے چین ہوگی"۔

"اگر میں نے انکار کیا تو بدنامی ہو جائے گی۔ امی مجھ کو زندہ نہ چھوڑیں گی"

"حل بتاؤ...کیا سوچا ہے تم نے؟"۔ تیمور نے سوالیہ نگاہوں سے استفسار کیا۔

"آپ انکار کر دیجئے بس۔ مرد کی زبانی انکار معیوب نہ سمجھا جائے گا"۔

"یعنی میں خالہ جان کے عتاب کا نشانہ بن جاؤں"۔

"چند دن امی آپ کو آڑے ہاتھ لیں گی۔ تھوڑے عرصہ بعد حالات معمول پر آ جائیں گے"۔

"مجھے خدشہ لاحق ہو رہا ہے کہیں انکار سے دونوں بہنوں کے تعلقات میں خلل نہ آ جائے"۔

"سب ٹھیک ہو جائے۔ چنداں فکر نہ کرو۔ امی کو میں منالوں گا۔ معاملہ طے شدہ سمجھو"۔

شاہانہ کو تسلی و تشفی دے کر تیمور ڈرائنگ روم میں آیا۔ نیر سلطانہ صوفہ پر بیٹھی بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ فوراً پوچھا "بیٹا بتاؤ کیا باتیں ہوئیں؟؟؟"۔

"دراصل دو دن پہلے میں نے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا"۔ تیمور نے ماں سے منہ موڑتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر جھوٹ کے سائے نمایاں تھے۔

"تیمور میری طرف دیکھ کر سچ کہو"۔

کچھ توقف کے بعد وہ سچائی پر اتر آیا۔

"امی وہ میرے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی"۔

"کیوں؟؟؟"

"کسی اور سے کرنا چاہتی ہے"۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ لڑکی ہو کر اس قسم کی حرکت کی۔ ہمارے خاندان کی ناک کٹوا دی"۔ نیر سلطانہ انتہائی ملول تھیں۔

"ہمارے خاندان کی ناکیں بہت لمبی ہیں ان کو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ امی ایسی باتیں چھوڑیں...خالہ جان کو کیا کہوں۔ اپنی بیٹی کی کرتوت سن کر وہ تو زندہ درگور ہو جائے گی"۔ نیر سلطانہ نے ماتھے کو کوٹتے ہوئے کہا

"امی بہتر یہی ہوگا کہ میں شادی سے انکار کر دوں۔ خاندان والے کچھ دن مجھے برا بھلا کہہ کر خاموش ہو جائیں گے۔ کم از کم شاہانہ کی عزت کو بٹہ نہیں لگے گا۔ امی پلیز آپ یہ راز کبھی بھی خالہ جان پر منکشف نہ ہونے دیں"۔

"کس سے کرنا چاہتی ہے شادی"۔ نیر سلطانہ نے گرم لہجے میں کہا۔

"دانیال اور شاہانہ یونیورسٹی میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے"۔

"مجھے پہلے ہی شک گزرا تھا۔ دل میں کچھ کالا ہے ورنہ شاہانہ کے منہ میں زبان بھی نہ تھی"۔

خالہ جان کو سمجھانا آپ کا کام ہے۔ وہ ضرور زبردست طوفان کھڑا کر دے گی"۔

"فرق کیا پڑتا ہے میں نہ سہی دانیال سہی۔ وہ بھی شریف النفس باعزت خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ دانیال کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ خالہ جان حالات سے سمجھوتہ کر لیں گی"۔

"جاؤ بیٹا بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔ تیمور اپنے کمرے میں آ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ امی سب سنبھال لیں گی۔ تیمور کے دل کو ڈھارس ہوئی۔ ٹیلی فون اٹھایا۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

ترانہ کا نمبر گھمایا۔

ترانہ سو چکی تھی اس لئے فون کافی دیر تک بجتا رہا۔ مزید صبر وقناعت کرنے سے قاصر تھا۔ فوراً ترانہ کو مژدہ سنانا چاہتا تھا کہ اب سارے ہموار ہو چکے ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ان کو نہ جدا کر پائے گی۔

تمام رات خوشی کے مارے آنکھوں میں کاٹی۔ منزل سامنے تھی۔ رسائی ممکن تھی۔ ترانہ اس سیراب کے مانند نہ تھی۔ اس دلکش احساس نے تیمور کو تمام دنیا سے بے گانہ کر دیا۔ ترانہ کا حصول آرزوئے خام تھا۔ لیکن قسمت نے اگر ساتھ دیا۔ تو دل کی آرزو بر آئے گی۔

اس طرح خوشیوں کے ڈولے میں جھولتا ہوا نیند میں جھول گیا۔

باب ۱۲

صبح جب آنکھ کھلی تو باہر کا موسم دلکش اور سہانا تھا۔ بارش ہونے کے باعث فضا میں رطوبت اور گیلا پن تھا۔

ہر شے دھلی نظر آ رہی تھی۔ درخت اور پودوں کا رنگ دھلنے سے گہرا ہو گیا تھا۔ تیمور نے جلدی سے تیار ہو کر ناشتہ کیا۔

ماں کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی تیزی سے ترانہ گھر کی طرف دوڑائی۔ ترانہ بے تابی سے منتظر تھی۔

باہر گارڈن میں انتظار کر رہی تھی۔ آج مسز جمشید کے گھر جانا تھا۔ دونوں کار میں بیٹھے۔ ٹریفک کی کمی کی وجہ سے جلد مسز جمشید کے گھر پہنچ گئے۔ مسز جمشید پہلے ہی سے پورچ میں ان کی منتظر تھیں۔

بیتابانہ انداز میں ترانہ کو گلے لگایا۔ دونوں کو گلے مل کر آسودگی اور طمانیت کا احساس ہوا۔

''یہ تیمور ہیں آئی جی آف کراچی''۔ ترانہ نے تعارف کروایا۔

''آداب مسز جمشید...''۔ تیمور نے نہایت مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ تیمور کو پہلے نظر میں مسز جمشید باوقار، ہمدرد اور مخلص خاتون لگیں۔

سب سے پہلے ڈرائنگ روم میں چل کر چائے پیؤ۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں تمہارے ساتھ ترانہ پھر کام کا سوچیں گے''۔

مسز جمشید کے چہرہ پر ترانہ کے لئے محبت چھلک اٹھی۔ ترانہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئیں۔ نہ جانے کیوں ترانہ سے دوری ان کو

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

بے تاب اور بے کل کر جاتی تھی۔ جدید آراستہ پیراستہ فرنیچر سے سجے ہوئے کمرے میں داخل ہوئیں۔ دنیا کے قیمتی نوادرات سے بھرپور کمرے میں آ گئے۔ خادمہ نے چائے اور بیشمار لوازمات پیش کیں۔ قیمتی گداز صوفوں میں دھنس گئے۔ ہنسی مذاق کے طوفان اٹھتے رہے۔

"کیا میں آپ کو آنٹی کہہ سکتی ہوں؟"۔

"کیوں نہیں... مجھے بہت خوشی ہوگی اگر تم مجھے اپنا سمجھوگی"۔

"آنٹی اب مجھے مرینہ کا کمرہ دکھائیے"۔

مسز جمشید نے خادمہ کو اشارہ کیا۔

خادمہ نے ترانہ کو آنے کے لئے کہا۔ "چلئے بی بی"۔

ترانہ خادمہ کے پیچھے پیچھے چلی۔

وہ انتہائی خوبصورت اور جدید مہنگے فرنیچر سے ترین بیڈروم میں کھڑی تھی۔ کمرے اور فرنیچر کی وضع قطع ماڈرن تھی۔

غیر ملکی نوادرات سے بھرپور تھا۔ ترانہ نے عجلت سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر اپنی تلاش شروع کر دی۔

تمام دراز خوش قسمتی سے کھلے تھے۔ بڑی سرعت سے ترانہ تمام کاغذات اور الماریاں اتھل پتھل کر رہی تھی۔

وہ متلاشی تھی کہ کچھ ٹھوس ثبوت، کاغذات، تصاویر ملیں جس پر وہ اپنا شک یقین میں بدل سکے۔ تلاشی کے دوران کچھ خطوط اور تصاویر اس کے ہاتھ لگ گئے۔ ترانہ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ شاید کچھ ثبوت مل چکے تھے۔ تلاشی ختم کی۔

تمام چیزیں کاغذات نہایت قرینے سے رکھ دیئے۔ البم سے کچھ تصاویر نکالیں۔ البم کے اوراق پلٹتے ہوئے اچانک نظر ایک فوٹو پر پڑی۔

"یہ تصویر یہاں کیسے آئی؟؟؟... کیا ناطہ ہے ان کا مسز جمشید سے۔؟؟؟ ترانہ لرزہ بر

اندام تھی۔

اُس پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ دل کے گوشے کسی انجانے خوف سے لرز رہے تھے یا پھر غیر متوقع انکشاف سے۔

تمام کاغذات اور تصاویر کو ترانہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھا۔ صرف ایک تصویر تھی جو کہ اس کے ہاتھ میں چپک گئی تھی۔

وہ فوٹو لے کر واپس ڈرائنگ میں پہنچی۔ آشفتگی اور واماندگی ترانہ کے چہرے پر نمایاں تھی۔

"کیا ہوا ترانہ بیٹی؟" مسز جمشید نے ترانہ کی پریشانی بھانپ لی۔

"کچھ نہیں آنٹی"۔ ترانہ نے پہلوتہی کرنے کی کوشش کی۔

وہ بدحواس تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ کچھ سوچتے ہوئے ترانہ اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہوئے لمبی سرد سانس لی۔

اپنا اضطراب اور دل کی بے کلی کو پوشیدہ رکھنا چاہتی تھی۔ جب مزید صبر نہ ہوسکا تو ترانہ نے تصویر کو مسز جمشید کے منہ کے سامنے لہرایا۔

"آنٹی یہ تصویر تو آپ کی ہے۔ لیکن ساتھ کون کھڑے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کا کیا رشتہ ہے؟؟"

مسز جمشید تصویر دیکھ کر دم بخود ہوگئی۔ آنکھیں پھیلی پھیلی ہوگئی۔

"کہاں سے ملی یہ تصویر تم کو؟" مسز جمشید نے جز بز ہوکر کہا۔

"مرینہ کے کمرے سے"۔

چند لمحے توقف کے بعد مسز جمشید بولیں "ان سے ہمارے دوستانہ تعلقات تھے"۔ مسز جمشید نے لمبی ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"اور... یہ بچہ جو آپ کی گود میں... یہ کون ہے؟؟؟"۔ ترانہ نے ہکلاتے ہوئے بمشکل [illegible] نکلی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"یہ میری بیٹی ہے... جس کو میں نے مسٹر اور مسز احمد کے حوالے کر دیا"۔

"ک... کیا... یہ آپ کی بیٹی ہے؟"۔ ترانہ کے حلق میں سسکی اٹک گئی۔

دل میں ایک ہوک اٹھی۔ وہ دم بخود تھی۔ سکتے میں آ گئی۔ بھیانک تعبیر سامنے کھڑی تھی۔

"آپ نے کیوں اپنی بیٹی کو غیروں کے حوالے کر دیا۔ وہ کیسی مجبوری تھی جس کی بنا پر ایک ماں کو اپنے جگر کے ٹکڑے کو جدا کرنا پڑا" ترانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

"بیٹی ہمارے حالات ہی ایسے تھے... جمشید اُس زمانے غریب تھے۔ امیر ہونے کے دن رات خواب دیکھا کرتے تھے۔ جب میں نے جمشید کو بتایا کہ میں حاملہ ہوں تو انہوں نے کہا کہ اولاد کے لئے ابھی کوئی جگہ نہیں۔ بچہ کسی اور کی گود میں دینا ہوگا یا پھر حمل گرانا ہوگا۔ حمل گرانے کا گناہ میں اپنے سر نہ لینا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا میری بچی کی زندگی بن جائے گی۔ اچھے لوگوں کے حوالے کر دیا اِس اُمید پر کہ کبھی نہ کبھی تو ملاقات ہو جائے گی۔ اس لئے دل کڑا کر کے میں نے اپنی نوزائیدہ بچی غیروں کے حوالے کر دی۔ بچی کو رخصت کرتے وقت میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ رہا تھا۔ ان کے حالات ساز گر تھے اور بچی کی نگہداشت احسن طریقے سے ہو سکتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری بچی کو بہت پیار و شفقت سے پالیں گے۔

"آپ نے کبھی پیچھے مڑ کر دیکھا؟ اپنی بیٹی کے متعلق جاننے کی کوشش کبھی کی۔ کب آپ کی بیٹی کا پہلا دانت نکلا؟ کب اس نے پہلی دفعہ ماں پکارا؟۔ کب اس نے اپنا پہلا قدم اٹھا کر چلنے کی کوشش کی؟۔ اسکول کا پہلا دن کیسا گزرا؟۔ کب وہ جوان ہوئی؟ کبھی خیال آیا اس کا..."۔ ترانہ فرطِ جذبات میں مرتعش آواز سے بولی۔ وہ جنونی حالت میں بولے رہی تھی۔

دو تین مہینے بعد اپنی بیٹی کو ملنے گئی۔ گھر پر قفل لگے تھے۔ میں نے ہمسایوں سے پوچھا پتہ چلا کہ وہ دوسرے شہر منتقل ہو گئے۔

میری بیٹی ہمیشہ کے لئے مجھ سے بچھڑ گئی۔ انہوں نے مجھے اپنا پتہ بھی نہ دیا۔ شاید خدشہ ہو گا کہ کسی دن میں اپنی بیٹی کی دعوی دار بن بیٹھوں۔

"بیٹی کی یاد آتی ہے کبھی؟..."۔ پرنم چشم لئے آنکھیں اٹھائے پوچھا۔

ترانہ کی آنکھوں میں غم کی کسک اور جستجو کی تڑپ تھی۔

"اب تو پچیس سال کی ہو چکی ہو گی۔ شاید شادی شدہ ہو گی۔ ہر رات یاد کر کے روتی ہوں۔ ہر دم ہر گام دعائیں دیتی ہوں"۔

مسز جمشید کی آنکھوں میں درد کے سائے سمٹ گئے۔ آنسوؤں کی برسات لگ گئی۔

ترانہ کو دفعتاً یہ آنسو مگر مچھ کے لگے۔ وہ خشمگین نظروں سے مسز جمشید کو دیکھتی رہی۔

اچانک ترانہ پر جنون سوار ہو گیا۔ دل دھواں دھواں ہو گیا۔ تنفر سے مسز جمشید کو دیکھا۔

اپنی ذہنی تبدیلی پر خوف آنے لگا اسی لئے وہ بے اختیار اٹھی۔

کڑوی کسیلی حقیقت سے آشکارا ہونے کے بعد اس کا تمام وجود انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔

"بیٹی پھر بھی ضرور آنا..."۔ مسز جمشید والہانہ انداز میں آگے بڑھی ترانہ کو گلے لگانے کے لئے۔

ترانہ کا تبسم رخصت ہو چکا تھا۔

جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ مسز جمشید کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھا اور کہا "چلو تیمور کام ہو گیا..."۔ تیمور اور ترانہ صدر دروازے کی طرف بڑھے۔

کار میں بیٹھے اور پھر آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ ترانہ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ کو تیمور دیکھ چکا تھا۔ مزید صبر نہ کر سکا۔

چند منٹ کے تامل کے بعد تیمور نے ترانہ سے پوچھا۔ "بات کیا ہے آخر؟ بولو تو سہی چپ کیوں ہو؟... پلیز بتاؤ نا ترانہ... شاید تمہاری ذہنی الجھنوں کو کم کر سکوں۔ تمہارا ذہنی بوجھ کو کچھ ہلکا کرنے میں مدد کر سکوں"۔

"بڑی ہی انہونی بات ہوئی۔ غیر متوقع انکشاف پر اچھل پڑو گے"۔ بالآخر ترانہ بول پڑی کیونکہ ترانہ کا ذہن جل رہا تھا۔

"پہلیاں نہ بجھواؤ ترانہ بتاؤ نا اب..."۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"مسٹر اور مسز جمشید جب غریب تھے۔ اپنی ایک بچی کسی کے گود میں دے دی۔ جانتے ہو کون تھے وہ؟" ترانہ کی نظروں میں کرب کے آثار تھے۔

تیمور نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

"مسٹر اور مسز احمد۔"

"تو پھر؟؟"

"مسٹر اور مسز احمد نے جس لڑکی کو گود لیا جانتے ہو اس لڑکی کا نام کیا ہے؟"

"نہیں... صبر کا امتحان کیوں لے رہی ہو؟ مجھے کیا پتہ کون ہے وہ؟"

"ترانہ"

"ترانہ کیا... ترانہ... یعنی تم...؟؟؟" تیمور نے زور سے بریک لگائی۔

کار جھٹکے سے رک گئی۔ وہ حیرانیوں اور پریشانیوں کے سمندر میں ڈوب گیا

"مسز جمشید تمہاری اصلی ماں ہے؟؟؟" تیمور نے ترانہ کو حیران نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں"۔ ترانہ کی آنکھیں آبدیدہ تھیں۔ چہرہ دماغی الجھن سے پیلاہٹ میں بدل گیا تھا۔

"اور زرینہ تمہاری چھوٹی بہن اور بابر بہنوئی۔"

"آپ یقیناً ذی شعور تیز فہم انسان ہیں۔ بڑا ہی ذہین تجزیہ ہے آپ کا"۔ ترانہ بھنا کر بولی۔

ترانہ خیالوں میں سوچنے لگی۔ خواب والی لڑکی میری چھوٹی بہن ہے۔ اس لئے تو وہ میرے خوابوں میں مسلسل آتی رہی۔

مجھے کہہ رہی تھی کہ تم میری اپنی ہی ہو... اس وقت میرے پلے کچھ نہیں پڑا۔ لیکن اب مجھے سمجھ آیا کیا مطلب تھا۔

تجزیے کے بعد نتیجہ یہی اخذ ہوتا ہے کہ اصلی مرینہ سچ بتا رہی ہے اور وہ نقلی مرینہ

جو مسز جمشید کے گھر اُن کی بیٹی بن کر رہ رہی ہے۔ اپنے باپ اور بہن کے قاتل کو پکڑنا ترانہ کی زندگی کا فرضِ اولین بن چکا ہے۔

"ترانہ ہمیں اس کیس کو جلد ہی اختتام پر پہنچانا ہوگا۔ اب تو تمہارے والد اور بہن کا معاملہ ہے"۔

"تمام زندگی میں دستِ شفقت کو ترستی رہی۔ مسٹر اور مسز احمد نے مجھے بہت محبت دی لیکن اصلی والدین کا نعم البدل تو سارے دنیا میں کہیں نہیں"۔

"مسز جمشید کو کب بتاؤ گی؟ وہ بھی تو تمہارے لئے تڑپ رہی ہیں"۔

"تڑپنے دو ان کو"۔ ترانہ کا لہجہ سنگین تھا۔ چہرہ یکلخت تلخ ہو چکا تھا۔

"اتنی سنگدل نہ بنو۔ تم ایسی تو نہ تھیں"۔

"سکون کی دنیا میں آگ لگ گئی ہے۔ میں تنفر کے تنور میں تڑخ رہی ہوں۔ دل و دماغ میں آتش فشاں اُبل رہا ہے۔ کسی دن نفرتوں کا لاوا پھوٹنے والا ہے۔ خون لاوے کی طرح بدن میں اُبل رہا ہے"۔

"تم کو تو خوش ہونا چاہئیے۔ تمہاری اصلی ماں مل گئی"۔ تیمور نے کڑوی حقیقت باور کروائی۔

"بے درد... بے حس ماں جس نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنی ممتا کی آغوش سے جدا کیا۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ کس طرح اتنے برس اس اخلاقی جرم کے ساتھ جیتی رہی"۔ ترانہ کے ہونٹوں سے سرد آہ نکلی۔

"کبھی تم نے سوچا کہ کن حالات میں ایک ماں اپنی نوزائیدہ بچی کو دوسروں کے حوالے کرتی ہے۔ سوچو... ذرا... وہ کتنی مجبور و لاچار ہوگی"۔ تیمور نے مسز جمشید کی حمایت کی۔

"بہرحال ان کو اطلاع کرنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ ان کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ بابر کو بھنک پڑ گئی تو نہ جانے کیا کر گزرے... شاید لندن آنے کے بعد..."۔ ترانہ نے غمگین لہجے میں کہا۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اللہ کے فضل سے"۔ تیمور نے ترانہ کی بات اُچکی اور ہمت بڑھائی۔

"میں ماں کی محبت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے آرام کرنا چاہتی ہوں۔ باپ اور بہن سے مل نہ سکی۔ کتنی بدقسمت ہوں میں۔ بابر نے میری زندگی کا سرمایہ لوٹ لیا۔ اس کو سخت سے سخت سز دلواؤں گی..."۔ ترانہ دل مسوس کر رہ گئی۔

"اب کیا کرنا چاہیئے؟"۔

"اس انکشاف کے بعد ہمیں خود کو مسز جمشید کے ہاں کھانے پر مدعو کرنا چاہیئے۔ بابر سے مڈبھیڑ کا وقت آ گیا ہے۔

بابر کا تجزیہ کرنا بہت اہم ہے۔ اُس کی شخصیت اور کردار کو سمجھنا اشد ضروری ہے"۔ ترانہ نے حتمی انداز میں فیصلہ کیا۔

اپنا سر کار کی سیٹ کی پشت پر رکھ دیا۔ آنکھیں موند لیں۔ ذہن مفلوج ہو چکا تھا۔ تھکاوٹ سے چور چور تھا۔ اعصاب شل ہو گئے تھے۔

گھر آ چکا تھا۔ تیمور کار کو اندر لے گیا۔ ترانہ تیزی سے کار سے اُتری۔ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگتی اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ بے دم ہو کر بستر پر گر پڑی۔

وہ منہ تکیہ پر رکھے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ ترانہ کا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔

تیمور بھی پیچھے پیچھے بھاگتا ہوا ترانہ کے بیڈ روم میں آن پہنچا۔

بستر پر بیٹھ کر روتی سسکتی ہوئی ترانہ کو دلاسہ دے رہا تھا۔

اتنے میں آصفہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ترانہ کو یوں روتے دیکھ کر ہاتھوں سے طوطے گئے۔ بے تابانہ انداز میں بے اختیار ہو کر بڑھی۔

"کیا ہوا میری ترانہ کو... کیوں رو رہی ہے یہ؟"۔ آصفہ کی پریشانی نمایاں تھی۔

"معاملہ اتنا سنگین تو نہیں بس ترانہ کا دل رونے کو چاہ رہا ہے"۔ تیمور نے معاملہ رفع د کرنے کی غرض سے کہا۔

"نہیں میرے دل کی نس پھڑک رہی ہے۔ ترانہ اپ سیٹ ہے اور کوئی وجہ ہے وہ یونہی نہیں روتی"۔ آصفہ نے کہا

"وہ تو ترانہ ہی بتائے گی"۔ تیمور بستر سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

آصفہ بستر پر بیٹھ گئی۔ دونوں بازوؤں سے ترانہ کو اٹھایا۔ ترانہ کی آنکھیں سرخ اور سوج گئیں۔ تکیہ بھیگ گیا تھا۔

"بتاؤ نا ڈیر کیا بات ہے؟"

"میں اپنی اصلی ماں سے مل کر آ رہی ہوں"۔ ترانہ نے انکشاف کا گولہ پھینکا۔

"کون... ہے اصلی ماں؟"۔ آصفہ دم بخود کھڑی تھی۔

"مسز جمشید"۔ ترانہ دھیمے سے سرسرائی۔

"مسز جمشید؟؟؟... کیا ثبوت ہے تمہارے پاس...؟ آصفہ نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"یہ دیکھو..." ترانہ نے فوٹو آصفہ کو پکڑایا

"یہ مسز جمشید... یہ مسٹر اور مسز احمد جنہوں نے مجھے پالا پوسا اور یہ میں..."

"پھر تو ہمیں جلد مرینہ اور سیٹھ جمشید کے قاتل کو پکڑ کر سخت سے سخت سزا دلوانی چاہیئے"۔

آصفہ نے جوشیلے انداز میں کہا

"انشاءاللہ ہمیں کامیابی ہوگی"۔ تیمور نے صدقِ دل سے دعا کی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۳

خزاں کی آمد آمد تھی۔

فضا میں ٹھنڈک اُتر آئی تھی۔

صابی نے ناشتہ تیار کر کے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ آصفہ ناشتہ کی ٹیبل پر پہلے ہی سے موجود تھی۔

بلیک لانگ سکرٹ اور سرخ ہلکا جمپر پہنے ہوئے ترانہ تیز تیز سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی۔

چوکیدار پوسٹ لے کر کمرے کے اندر آیا۔

''میڈم یہ آپ کی ڈاک''۔

ترانہ نے ڈاک لے لی۔ لفافے کھول کھول کر پڑھنے لگی۔ پھر ناشتہ کرنے بیٹھ گئی۔

ترانہ نے بابر اور زیبا سے منسلک بہت خطوط لکھے تھے۔ خط پڑھتے ہوئے اچانک ترانہ کے لبوں پر ہلکا تبسم اُبھر آیا۔

چہرے پر فاتحانہ لہروں نے جنم دیا۔ اپنی انگلی سے چٹکی ماری۔

آصفہ کمرے میں داخل ہو کر بولی ''آج ہم تیمور کے گھر مدعو ہیں۔ یاد ہے نا...؟'' آصفہ نے بیساختہ کیا

''اچھا میڈم بھول گئیں۔ شام کو شاہانہ اور دانیال کی منگنی ہے''۔ آصفہ نے یاد کروایا۔

''او... فو... کونسے ٹائم جانا ہے...'' ترانہ یکسر بھول چکی تھی۔ بے اختیار بڑبڑائی

''چھ بجے... بہت ٹائم ہے تیاری کے لئے''۔ آصفہ ترانہ کی ہڑبڑاہٹ کی وجہ بخوبی جانتی تھی۔ ترانہ کو تیار ہونے میں کافی وقت پیش آتی تھی۔

عموماً روزمرہ زندگی میں وہ انتہائی سادگی کی چادر اوڑھے رکھتی تھی لیکن جب پارٹی میں جانا ہوتا تھا تو سخت نروس ہو جاتی۔

''گھبرانے کی کیا بات ہے؟''۔ صابی نے تمہاری سفید شیفون کی ساڑھی اور بلاؤز استری کر دیا ہے۔ سینڈل اور میچنگ جیولری بھی نکال دی ہے۔ بس پہن کر تیار ہی تو ہونا ہے نا''۔ آصفہ نے دلاسہ دیا۔

''تم کونسی ساڑھی پہن رہی ہو؟''۔ ترانہ نے مزید سوال کیا۔

''ارے بھئی تم سفید اور میں کالی اور کیا؟''۔ آصفہ نے چٹکلہ چھوڑا۔

''میں باتوں میں بھول گئی۔ آصفہ یاد ہے نا ہم نے بہت سے ڈاکٹرز کو لندن خطوط لکھے تھے۔ ڈاکٹر جم واٹ نے لکھا ہے کہ شاید وہ مدد کر سکیں''۔

ان کا نام و پتہ بھی خط میں درج ہے''۔ ''چلو ڈبل خوشی ہوگی تیمور کو''۔ آصفہ نے خوشدلی سے کہا

''ڈبل کیوں؟''۔

''ایک تو ڈاکٹر جم کی اور دوسری تمہارے حصول کے لئے راستہ ہموار ہونے کی۔ رسائی آسان ہوگئی ہے''۔ آصفہ نے ہنستے ہوئے نشانہ داغا۔

''تم بہت بکتی رہتی ہو۔ تمہاری بولتی بھی بند کروانے کا انتظام کر رکھا ہے میں نے...'' ترانہ نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔

''ساڑھے چار بج چکے ہیں۔ چلو اوپر چل کر تیار ہو جائیں''۔ ترانہ نے گھبراہٹ میں کہا۔

دونوں سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آئیں۔ ترانہ کے کمرے میں گھس گئیں۔ ترانہ نے ساڑھی پہن کر اپنے بالوں کی طرف دھیان دیا۔

آصفہ نے ترانہ کے بال کھلے چھوڑ دیئے۔ ان کو کرل کر کے گچھے دار بنا دیا۔ یہ بالوں کا سٹائل ترانہ پر بہت سجا۔ میک اپ مکمل کیا۔ ترانہ نے سفید لمبے لہراتے آویزے پہنے اور گلوبند

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

گلے میں ڈالا۔

''اب دیکھو ترانہ شیشے میں۔آسمان سے اتری ہوئی اپسرا لگ رہی ہو۔نہ جانے کتنے ہی عاشق غش کھا کر گر پڑیں گے''۔آصفہ نے پڑاخہ چھوڑا۔

''بس تمہارا کام تو ٹر ٹر کرنا ہے۔تمہارا حسن بھی کسی سے کم نہیں''۔ترانہ نے چیں بچیں ہوتے ہوئے کہا۔

''تمہارے دلفریب چہرے سے کسی کی نظر ہٹے گی تو میرے پر پڑے گی نا...'' آصفہ برجستہ بولی

یونہی دونوں باتیں کرتی اور تیاری میں مشغول رہیں۔اچانک فون کی گھنٹی بجی۔آصفہ نے فون اٹھایا۔پھر سن کر ترانہ کی طرف بڑھا دیا۔

''تیمور''

ترانہ نے ریسیور پکڑ کر اپنے کانوں میں لگایا۔

''ہلو تیمور...خیریت..''ترانہ نے سوالیہ انداز میں بات کی

''اگر چاہو تو میں آکر پک کرلوں آپ دونوں کو''۔

''شکریہ میں اور آصفہ خود ہی آجائیں گے''۔

''اوکے۔پھر ملیں گے جلد ہی...''تیمور نے فون رکھ دیا۔

چھ بجنے والے تھے۔دونوں تیار ہو کر نیچے آئیں۔صابی کو ہدایات دے کر باہر آئیں۔چوکیداروں نے بلند دیو قامت کالا آہنی پھاٹک کھولا۔ترانہ نے دونوں کو دیکھ بھال کرنے کی ہدایات صادر کیں۔

آصفہ کا چلا رہی تھی۔ترانہ ساتھ والی سیٹ پر براجمان تھی۔آدھے گھنٹے بعد وہ تیمور کے گھر پہنچیں۔آصفہ نے کار کو پورچ میں کھڑا کیا۔

تیمور اور اس کی والدہ ترانہ اور آصفہ کے استقبال کو کھڑی تھیں۔تیمور نے ترانہ کے دل نشین سراپے کو ستائشی نظروں سے دیکھا۔

ترانہ کی خوبصورتی، اور توبہ شکن حسن تیمور کے رگ و پے میں اترنے لگا۔

بے قراری ابھر آئی۔ترانہ نے شرمیلی مسکراہٹ، خمار آفرین نظروں سے تیمور کو دیکھا وہ سحر زدہ مجسمہ پتھر بنا کھڑا رہا۔

ترانہ کی موجودگی میں تمام کائنات فرحت آگین، سحر طراز لگنے لگی۔ترانہ کا حسن کندن کی طرح چمک رہا تھا۔

سفید چمکتی ہو ساڑھی میں اپسرا لگ رہی تھی۔

تیمور کی والدہ صبیحہ بیگم اپنے مہمانوں کو اندر ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

منگنی کا ماحول گھر کی سجاوٹ سے نمایاں تھا۔

در و دیوار پر پھولوں کی لڑیاں اور باہر لائیٹوں کے جال بچھا دیئے تھے۔پارٹی کا سماں باندھ دیا گیا تھا۔

دانیال اور اس کے اہلِ خانہ لاہور سے آچکے تھے۔تیمور، صبیحہ بیگم، آصفہ اور ترانہ نے استقبال کے لئے نکل آئے۔

گلے میں گلاب اور چنبیلی کے ہار ڈالے۔بڑے توقیر و عظمت سے ان کو صوفوں پر بٹھایا۔

دانیال کے پاس آصفہ، ترانہ اور تیمور کھڑے تھے۔

''دانیال تم نے تو بس حد ہی کردی...اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی...یہ تم نے اچھا نہ کیا''۔تیمور نے برہم ہوتے ہوئے کہا

''یہ بات چھپی تو نہ رہ سکتی تھی۔صحیح وقت پر بتا دی۔تمہارے لئے تو یہ مسرتوں کا پیغام لے کر آئی۔کیوں کیا غلط کہا میں نے؟''۔

''بالکل صحیح کہا۔ورنہ بہت بڑا محاذ کھڑا کر دیتیں خالہ جان اور امی...مسئلہ خود ہی حل ہو گیا...''۔

تیمور کے چہرے پر خوشیوں کی بارات تھی۔منگنی کی رسم شروع ہوئی۔شاہانہ کو نادیہ اور آصفہ نے سرخ گلاب اور موتیے کے گجرے ہاتھوں میں پہنائے۔ترانہ نے شاہانہ کے بالوں

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

میں گجرا لٹکا دیا۔دانیال کی والدہ اور بہن شازیہ صوفہ پر شاہانہ کے قریب بیٹھ گئیں۔دانیال اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا۔پھر شاہانہ کی انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی پہنا دی۔شاہانہ کی والدہ نے دانیال کو انگوٹھی پہنا دی۔سب مہمانوں نے مبارکباد دی۔منگنی کی رسم کے بعد کھانا لگا دیا گیا۔ چچوں کی کھنکار ہنسی اور مذاق کے ملے جلے شور اٹھ رہے تھے۔ترانہ نے تیمور کو باہر بلایا۔دونوں باہر لان میں آ گئے۔

"یاد ہے نا...ہم نے لندن کچھ لیٹر لکھے تھے۔ان میں سے ہارلے سٹریٹ کے ڈاکٹر جم واٹ نے جواب دیا ہے کہ وہ شاید کچھ مدد کر سکے۔میرے خیال میں یہ ڈاکٹر ہمارے لئے کافی معاون ثابت ہوگا"۔

"گڈ ورک ترانہ۔لندن کی روانگی کا فوراً انتظام کرو"۔

"ٹھیک یو سر۔سفر کی تیاری کرنا آصفہ کا کام ہے۔اس کو ہدایات مل چکیں ہیں۔میں تو اس دن کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں جب یہ سہانا سفر کسی کے پہلو میں بیٹھ کر پلک جھپکتے کٹے گا۔تیمور خیالوں میں سفر شروع کر چکا تھا"۔

"وہی جو میری جانِ غزل ہے۔میری محبوبہ۔"تیمور نے غیر واضح انداز میں کہا۔

"خیر یہ تو آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔میں مزید نجی معاملات کریدنا نہیں چاہتی سر"۔ترانہ نے لاتعلقی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"پوچھو گی نہیں وہ کون ہے؟"۔

"نہیں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

"لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ تم میری جانِ غزل ہو..."

"نہ تو میں آپ کی جانِ غزل ہوں اور نہ ہی محبوبہ...ہمارا صرف آفیسر اور ماتحت کا رشتہ ہے اسی طرح برقرار رہنا چاہیئے"۔

"کبھی تو میرے دل کا خیال کیا کرو۔تمہاری بے رخی اور بے اعتنائی سے میرا دل بے چارہ دھڑکنا بھول جائے گا"۔

"سر کبھی تو سیریس ہو جایا کریں"۔ترانہ نے رُکھائی سے کہا۔

"زندگی مسکرانے کا نام ہے۔رو رو کر کیا جینا"۔تیمور نے تلقین آمیز لہجہ میں کہا

"مصروفیت کے انبار لگ چکے ہیں۔فراغت ملے گی تو زندگی کے بارے میں سوچا جائے گا نا"۔

آخر کب تک یہ لاتعلقی اور بے رخی کا ڈرامہ رچاؤ گی ترانہ۔تیمور ہی تمہاری منزل ہے۔وہ بے حد چاہتا ہے تم کو...یہ منفی رویہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔مختلف انداز سے وہ اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتا ہے۔لیکن تمہارے سفاکانہ رویے سے دل مسوس کر رہ جاتا ہوگا۔بتا دو اس کو کہ تم بھی شدت سے پیار کرتی ہو...وہ تمہاری نس نس میں بس چکا ہے۔وہ قیمتی ہیرا ہے۔اس کو کھو دیا تو شاید اتنی محبت کرنے والا کوئی اور نہ ملے۔لیکن میں کیسے اپنا حالِ دل آشکارا کروں۔مجھ کو تو اظہارِ محبت کا سلیقہ بھی نہیں۔تھوڑا سا اشارہ ہی دے دو۔ذرا نرمی اور رسان لہجہ میں کچھ کہہ ڈالو۔وہ سمجھ جائے گا۔

"کیا سوچ رہی ہو ترانہ...میں نے کچھ غلط کہا؟ ڈرو مت کسی کو اپنانے میں...سابقہ حالات کو نظر انداز کر دو...حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔یہ قدرتی نظام ہے"۔تیمور نے مزید وضاحت سے اپنا مدعا۔

"میں سمجھتی ہوں کہ فی الحال کسی کے ساتھ زندگی کی رعنائیوں،لطافتوں اور الفتوں کا مزہ نہ چکھ پاؤں گی۔شاید کیسوں کے حل کرنے کے بعد میں..."ترانہ نے بمشکل لب کشائی کی۔

"کس کے ساتھ ارادہ ہے؟"تیمور کی روح آنکھوں میں سمٹ آئی۔امیدانہ نگاہوں سے ترانہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"جس کی تصویر کا عکس میری آنکھوں میں ہے۔ذرا جھانک کر دیکھئے میری آنکھوں میں..."۔ترانہ نے قریب آتے ہوئے کہا

"شکریہ ترانہ...مجھے اپنے سوال کا جواب تمہاری خوبصورت آنکھوں میں مل گیا۔تمہارا حالِ دل جاننے کے بعد ایک لمحہ تمہارے بنا ایک صدی پر محیط ہے۔کیا ہو گا میرا؟"تیمور ٹھنڈی

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

سانس لیتے ہوئے بولا

''انتظار..میں بھی کسک ہے۔.ترانہ کی گفتگو کا انداز اب قدرے شیریں اور پرمحبت تھا۔

''وہ تو کر ہی رہا ہوں''۔تیمور نے لمبی سرد آہ کھینچی۔تیمور نے آگے بڑھ کر ترانہ کو دایاں نازک ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ترانہ کسمسائی۔

''میرا ہاتھ چھوڑ دو کوئی دیکھ لے گا تیمور''۔پھر تھوڑے تامل کے بعد اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔اس ڈر سے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔

''شاہانہ کا خطرہ بھی ٹل گیا۔اب کوئی بھی ہمارے درمیان حائل نہ ہوگا''۔

''صرف ایک چیز''۔ترانہ برجستگی انداز میں بولی

''کیا???''۔تیمور کی خوبصورت کالی آنکھوں میں انجانا خوف لہرا گیا۔

''وقت!!!''۔

''کیوں???''۔

''یہ کیس میری اپنی ذات سے منسلک ہے۔جب تلک یہ حل نہیں ہوتا میں الجھنوں میں پڑنا نہیں چاہتی''۔

''میری تو یہی دعا ہے کہ کل ہی یہ کیس اختتام پذیر ہو''۔تیمور نے دعائیہ انداز سے کہا۔

''انشاءاللہ!!!''۔دونوں نے بیک وقت کہا۔

''کیس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے لندن جانا ضروری امر ہے۔لندن میں سیر کرنے کے مواقع بھی ملیں گے۔بہت مزہ آئے گا۔۔تم خوش ہونا؟''تیمور نے تائید لینی چاہی۔

''ہاں لیکن کام بھی بہت کٹھن ہے نا۔۔۔ دو ہفتے تو بھاگ دوڑ میں گزر جائیں گے..لندن کب روانگی ہے؟''۔

''پرسوں...تیاری شروع کردو۔ستمبر کا مہینہ ہے۔لندن کی فضا میں خنکی اتر آتی ہے...گرم کپڑے لے لینا''۔

''لندن جانے سے پہلے میں اپنی ماں سے ملنا چاہوں گی۔مرینہ اور بابر سے کچھ باتیں

کرلوں۔زیبا کے والد سے بھی انفرمیشن لینی ہے''۔

''توکل کا کھانا مسز جمشید کے ساتھ کھالینا۔مرینہ اور بابر بھی وہاں موجود ہونگے''۔

''تم آؤ گے نا''۔ترانہ نے امیدانہ نگاہوں سے تیمور کو دیکھا۔

''یقیناً...چلو اندر اب اندھیرا گہرا ہوتا جارہا ہے''۔

''کل میں تم کو پک کرلوں گا...''۔دونوں واپس روانہ ہوگئے۔

آصفہ اور ترانہ نے بھی سب کو شب بخیر کہا اور کار لے کر اپنے گھر سدھاریں۔

آصفہ نے کار پورچ میں پارک کی۔بیڈروم میں چلی گئیں۔

''صبح کا ایجنڈا...''۔ترانہ سے پوچھا

ترانہ نے بتایا کہ وہ زیبا کی گمشدگی کی رپورٹ دیکھنے آفس جائے گی۔آصفہ کو پرنسپل ایاز کے گھر جانے کی ہدایت کی۔

''آصفہ مجھے شک ہے یہ تینوں کیس ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ تینوں کا قاتل ایک ہی ہے۔بس ہم کو ٹھوس استدلال چاہیئے''۔

''کل میں پرنسپل ایاز کے گھر والوں سے ملوں گی اور حتی الامکان سب انفرمیشن لینے کی کوشش کروں گی۔یہ کام مجھ پر چھوڑ دو''۔

''درست...لیکن ایک بات یاد رکھنا''۔ترانہ نے سیریس نظروں سے آصفہ کو دیکھ کر کہا۔

''کیا؟؟''آصفہ نے استفہامیہ نگاہوں سے اوپر دیکھا۔

''آئندہ مجھ کو سنگدل اور پتھر دل کا خطاب مت دینا''۔ترانہ نے خشمگین نظروں سے آصفہ کو دیکھا۔

''اس کا مطلب یہ کہ تیمور سے دوستی ہوگی''۔آصفہ نے سکھ کا سانس لیا۔

''ہاں پکی دوستی۔لیکن اب مجھے تمہارا خیال آرہا ہے''۔

''کیوں؟''

''کہیں تم کنواری نہ رہ جاؤ''۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

’’تو پھر کیا کرو گی میرے لئے ترانہ؟‘‘

’’میں سوچ رہی ہوں ڈاکٹر شان کے ساتھ تمہاری سلسلہ جنبانی شروع کروں‘‘۔

ڈاکٹر شان کا نام سنتے ہی آصفہ کے چہرے پر گلابی رنگ دوڑ گیا۔

ترانہ کا تیر صحیح نشانے پر لگا۔ ڈاکٹر شان جب بھی آتے وہ ترانہ سے مل کر جاتے۔ ڈاکٹر شان کی طرف آصفہ کو جھکتے ہوئے بھانپ لیا۔ اس لئے یہ لائحہ عمل مرتب کیا۔ ان دونوں کو منسوب کر دیا جائے۔

’’آصفہ میں تمہارا عندیہ لینا چاہتی ہوں‘‘۔ آصفہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

’’او کے جب ڈاکٹر شان فون کرے گا تو میں یہ ذکر کروں گی۔ وہ میری بات رد نہیں کرے گا۔ ظاہر ہے وہ تم سے بہت متاثر ہے‘‘۔

’’ڈاکٹر شان کو لندن لے جانا ہمارے لئے مفید رہے گا‘‘۔

’’کیا خیال ہے تمہارا آصفہ؟‘‘۔ ترانہ نے شرارت بھری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

’’میں تمہارے فیصلے سے متفق ہوں‘‘۔ آصفہ کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ وہ سوچنے لگی ڈاکٹر شان کے قریب آنے کا موقع مل جائے گا۔

نزدیکیاں صحیح فیصلہ اخذ کرنے میں مدد دیں گی۔ دونوں کو قریب لے آئیں گی۔ ترانہ نے فون اٹھا کر ڈاکٹر شان کو فون کیا۔

’’ہلو۔ ڈاکٹر شان سپیکنگ‘‘۔

’’میں ترانہ بول رہی ہوں شان۔ کیسے ہیں؟

خیریت ہے۔ آپ کیسی ہیں؟‘‘

’’تحقیقات کے سلسلے میں لندن جا رہے ہیں ہم‘‘۔

’’کون کون جا رہا ہے؟‘‘۔

’’تیمور، آصفہ، میں اور آپ‘‘۔

’’کیا... میں؟؟؟‘‘

’’جی ہاں آپ... ہم کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اپنی تیاری کر لیں۔ آصفہ ابھی آپ کی سیٹ بک کر رہی ہے‘‘۔

’’او کے۔ روانگی کب ہے؟‘‘

’’اتوار کو۔ آپ ہفتہ والے دن میرے طرف آ جائیں‘‘۔

’’او کے۔ سی یو اللہ حافظ‘‘۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۴

اچانک فون بجا۔ ترانہ نے فون اٹھایا۔

"ہلو ترانہ بول رہی ہوں؟"۔ دوسری طرف کوئی شخص سرمد تھا۔

"مس ترانہ میں زیبا کو جانتا ہوں۔ پرنسپل ایاز کے بابت تفصیلات آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں"۔

ترانہ کے بدن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ کی قدرت تو دیکھو بروقت سرمد نے فون کیا وہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے لگی۔

"آپ میرے ساتھ ہر قسم کی بات کر سکتے ہیں۔ تمام گفتگو صیغۂ راز میں رہے گی"۔

"مس ترانہ ایسی باتیں فون پر نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے ایک گھنٹے بعد شیزان میں ملئے۔ میں آپ کا منتظر رہوں گا"۔

"او کے سرمد میں آ رہی ہوں"۔ یہ کہہ کر ترانہ نے فون کریڈل پر رکھ دیا۔ ترانہ کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھ کر آصفہ بے ساختہ بولی۔

"کس کا فون تھا؟ کون تھا وہ؟"۔

"کسی سرمد کا تھا۔ وہ ہم سے ملنا چاہتا ہے شیزان میں۔ تیار ہو جاؤ فوراً"۔

آصفہ تو پہلے ہی سے تیار تھی۔ دونوں اٹھ کر چل پڑیں۔ کار نکالی اور اپنی منزل مقصود کی طرف رخ کیا۔

"ترانہ تیمور سے پوچھے بغیر شان کو لندن آنے کا کہہ دیا۔ اب تیمور کو فون پر بتا..... پرابلم ہو جائے گا"۔

آصفہ نے ترانہ کو فون پکڑایا۔

"ہلو تیمور میں ترانہ بول رہی ہوں؟"۔

"اوں کیا بات ہے میرے بغیر ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی نا... ابھی تو مل کر گئی تھی"۔ تیمور نے فخریہ انداز میں کہا۔

"خود کو شاخِ زعفران مت سمجھو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے ڈاکٹر شان کو بھی لندن لے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کو فون کر دیا ہے۔ وہ بھی ہمارے ہمراہ آئے گا"۔

"کیا ضرورت تھی اُس کی؟؟"۔ تیمور کے لہجہ میں غصے کی آمیزش تھی۔

"سمجھا کرو تیمور... وہ ڈاکٹر ہے... ڈاکٹرز سے گفت وشنید اچھی طرح سے کرے گا۔ تم کو میرے فیصلہ پر اعتماد نہیں"۔

"یہ بات نہیں ہے۔ ترانہ تم پہلے مجھ سے پوچھ تو لیتی۔ آخر میں تمہارا پارٹنر ہوں"۔

"سوری تیمور... کام الٹ ہو گیا۔ پہلے تم کو فون کرنا چاہیئے تھا لیکن شان کو کر دیا۔ سوری سر"۔

"خیر آئندہ احتیاط کرنا"۔

"او کے... بائے"۔ کہہ کر فون بند کر دیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ شیزان کے سامنے تھے۔ کار پارک کرنے کے بعد ترانہ اور آصفہ ریسٹورنٹ میں لپکی۔

اندر آ کر دونوں نے اپنی نگاہیں چاروں طرف گھمائیں۔ دائیں طرف کھڑکی کے پاس نوجوان آدمی بیٹھا تھا۔

ان کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ ہلایا۔ دونوں اس کی جانب لپکیں۔

"مسٹر سرمد آپ ہیں"۔ ترانہ نے بڑی تیزی اور بے صبری سے کہا۔

"جی مس ترانہ میں ہی سرمد ہوں۔ آیئے بیٹھیے"۔

"یہ میری کولیگ آصفہ۔ ہم دونوں کیس کی تفتیش کر رہی ہیں"۔ ترانہ نے تعارف کروایا۔

دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ بیرے کو بلایا۔ چائے کا آرڈر دیا۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

آصفہ اور ترانہ انتہائی بے تاب تھیں۔ مزید وقت ضائع کئے بغیر سرمد سے مخاطب ہوئی۔

"کیا آپ مرینہ، زیبا اور بابر کو جانتے ہیں؟"۔

"جی ہاں۔ وہ سب میرے دوست تھے۔ ہم سب ایک ساتھ پڑھتے تھے"۔

بابر کا قریبی دوست کون تھا؟" آصفہ سے سوال اٹھایا۔

"میں۔ بابر انتہائی ذہین سٹوڈنٹ تھا۔ وہ ہمیشہ اول پوزیشن لیتا تھا ہر سال۔ پرنسپل ایاز کا پسندیدہ سٹوڈنٹ تھا بابر"۔

آصفہ نے نوٹس لکھنے شروع کر دیئے۔

"بابر کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ کس قسم کا انسان تھا۔ کالج میں دوسروں کے ساتھ کیسے تعلقات تھے؟"

"بچپن کی باتیں یاد کر کے اکثر وہ ڈپریس ہو جاتا۔ ذہنی دباؤ کو شکار ہو جاتا۔ اس کا بچپن بہت ہی دردناک تھا۔ باپ نشہ کا عادی تھا۔ روزانہ ماں اور باپ میں کشیدگی اور بحث رہتی باپ کا نشہ کی حالت میں اکثر ماں کو مارنا اس کا شیوہ تھا۔ ماں انہی دکھوں اور صعوبتوں میں دبا کر موذی بیماری کا شکار ہو گئی۔ موت کے ظالمانہ جبڑوں میں چلی گئی۔ بابر کو اپنی ماں سے بہت محبت تھی۔ باپ نے فوراً دوسری شادی کر لی۔ انتہائی ظالم و جابر عورت تھی۔ بابر کو بہت پیٹتی بھوکے پیٹ سونے پر مجبور کرتی۔ میٹرک سے ہی بابر نے وظیفہ لینا شروع کر دیا۔ ہاسٹل میں منتقل ہو گیا۔ باپ کا گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ آیا۔ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

"پرنسپل ایاز کے متعلق بتائیے۔ اُن دونوں کے کیسے تعلقات تھے۔ کبھی کوئی انہونی بات نوٹ کی"۔ ترانہ نے مزید سوال اٹھایا۔

سرمد چند منٹ توقف کے بعد بولا۔ "ہاں مجھے یاد پڑتا ہے پرنسپل ایاز اور بابر میں بہت ہی برا جھگڑا ہوا"۔

"کس بنا پر۔ جھگڑے کا پسِ منظر"۔

"لیکن بابر کا پرنسپل ایاز کی گمشدگی سے کیا تعلق؟"۔ ترانہ نے کریدتے ہوئے پوچھا

"بظاہر تو نہیں لیکن بی اے کے پہلے سال امتحان میں انگلش کے ٹاپ مارکس شائل۔

گیا۔ بابر دوسرے نمبر پر تھا۔ یہ بابر کے لئے برداشت سے باہر تھا۔ وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ جب بی اے کا امتحان ہونے والا تھا۔ پرنسپل ایاز نے بابر کو نوٹس چراتے رنگے ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں نے بابر کو اپنے آفس بلایا۔ سخت باز پرس کی۔ اعترافِ جرم کا موقع دیا۔ صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر وہ جرم کا اقبال کر لے گا تو اس کو وارننگ دے کر معاف کر دیا جائے گا۔ ورنہ یونیورسٹی سے نکال دیا جائے گا۔ بابر کو یہ دھمکی پسند نہ آئی۔ بابر نے پرنسپل ایاز کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ پرنسپل نے ایاز بابر کو نکالنے کا فیصلہ سنا دیا۔ بابر نے پرنسپل ایاز کے ساتھ انتہائی سنگین جھگڑا کیا۔ پھر اس دن کے بعد پرنسپل ایاز نظر نہیں آئے۔ ان کی گمشدگی میں بابر کا ملوث ہونا عین ممکن اور فطری ہے"۔ سرمد نے خدشہ ظاہر کیا۔

"لیکن آپ کے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے؟" آصفہ نے پوچھا

"میں نے بابر کو اپنے کانوں سے سنا پرنسپل ایاز کو دھمکی دیتے ہوئے"۔ ترانہ اور آصفہ دم بخود ہو گئیں۔

"بابر کا برتاؤ سب سے کیسا تھا؟ کیا آپ نے کبھی بابر کو غصے میں دیکھا؟"۔ ترانہ نے سوال اٹھایا

"وہ بہت جلد باز اور غصیل تھا۔ اچانک بھڑک جانا اس کی عین فطرت تھا۔ ایک دفعہ ہم لوگ پک نک گئے تھے۔ وہاں کسی راہگیر سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ بابر نے معمولی بات پر اُس غریب لڑکے کو اس قدر پیٹا کہ وہ لہولہان ہو گیا۔ ہم نے بیچ میں پڑ کر لڑائی ختم کی"۔

"بابر شاید دماغی امراض میں مبتلا ہو گا۔ اس کا بچپن بہت ہولناک اور اذیتناک تھا۔ زیبا اور مرینہ کے اوپر کچھ روشنی ڈالو"۔ ترانہ نے سوچتے ہوئے کہا

"مرینہ تو بہت اچھی خاتون تھیں۔ بابر کو بہت چاہتی تھی۔ مدد کرنا چاہتی تھی اس کی"۔

سرمد نے مرینہ کو سراہا

"اور زیبا؟"۔ ترانہ متجسس انداز میں پوچھا

"لومڑی کی طرح چالاک اور عیار۔ غریب لڑکی تھی۔ دن رات امیر بننے کے خواب دیکھتی رہتی تھی۔ رام ملائی جوڑی ایک اندھا ایک کوڑھی۔ بابر کے ساتھ گاڑھی چھننے لگی۔ دونوں

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

نے مل کر پلان بنایا۔ مرینہ بہت ہی سادہ اور امیر باپ کی بیٹی تھی۔ دونوں نے مرینہ کو اپنی دلفریب اور لچھے دار باتوں میں الجھا لیا۔ ایم اے کے فوراً بعد بابر اور مرینہ کی شادی ہو گئی۔ بابر دولت مند بن گیا۔ دنیا کی ہر آسائش میسر ہو گئی"۔

"زیبا کا کیا ہوا؟

"بابر زیبا سے محبت کرتا تھا شائد وہ ایک سال تک اس شہر میں رہی پھر وہ دوبارہ نظر نہیں آئی"۔

"کہاں گئی؟"

"معلوم نہیں۔ زیبا کا باپ تو اس کی جدائی میں رو رو کر اندھا ہو گیا۔ محنت مزدوری کر کے اس نے زیبا کو پڑھایا تھا لیکن اس کے تمام خواب ادھورے رہ گئے"۔

"اس نے گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی تھی یا نہیں"۔ آصفہ نے استفسار کیا

"ہاں رپورٹ میں نے ہی درج کروائی"۔

"بابر اور مرینہ سے تو میل جول ہو گا ابھی تک"۔ ترانہ نے پوچھا

"نہیں۔ انہوں نے تعلقات منقطع کر لئے بہت عرصے سے"۔

"مرینہ کے والد سیٹھ جمشید سہیل کی گمشدگی کے بارے میں بتائیے"۔

"میں اس بارے میں زیادہ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے بابر کا کردار انتہائی مشکوک لگتا ہے۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے لوگ غائب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ عین ممکن ہے وہ سیٹھ جمشید کے کیس میں بھی ملوث ہو گا"۔

"شکریہ سرمد صاحب آپ نے بروقت فون کر کے اہم باتوں کی وضاحت کی"۔ ترانہ نے اٹھتے ہوئے شکریہ ادا۔

"انشاءاللہ جب بھی مدد کی ضرورت ہو گی۔ ہم آپ کو فون کر دیں گے"۔

اللہ حافظ کہہ کر دونوں ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئیں۔

باب ۱۵

دوسرے دن تیمور ترانہ اور آصفہ مسز جمشید کے گھر کھانے پر مدعو تھے۔ مسز جمشید نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ بابر اور مرینہ کام سے واپس آ چکے تھے۔ اوپر کپڑے بدلنے کے لئے چلے گئے۔

ترانہ کتھئی رنگ کی شیفون کی خوبصورت ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ کانوں اور گلے میں سونے کا زیور زیب تن تھا۔

بالوں کو کھلے چھوڑ دیا تھا جو کہ بل کھا کر نیچے گرے ہوئے تھے۔ آصفہ ہلکی آسمانی ساڑھی میں اچھی لگ رہی تھی۔

تیمور نے ٹھنڈا سرمئی سوٹ پہن رکھا تھا۔ انتہائی دلکش شخصیت کا مالک نظر آ رہے تھے۔

سیڑھیوں سے مرینہ اور بابر نیچے آئے۔ دونوں نے آداب کیا۔ سب نے سلام کا جواب دیا۔

بابر خوبصورت اور بظاہر شرافت کا پتلا نظر آ رہا تھا۔ اس کی موٹی موٹی کالی آنکھیں شکاری کی آنکھوں کے مانند تھیں جو کہ بہت ہی جلد اپنے اردگرد ماحول کا جائزہ لے لیتیں۔ بابر کی آنکھیں پھرتے پھرتے ترانہ پر آ کر منجمد ہو گئیں۔ وہ ہر حسین لڑکی کا رسیا تھا۔ عاشق اور دل پھینک انسان تھا۔ کالج کی عادتیں ابھی تک بدرجہ اُتم موجود تھیں۔ ترانہ بابر کو بھا چکی تھی۔ بابر کو اپنی ہوس کا ہدف مل چکا تھا۔ ترانہ بابر کی شکاری اور ہوس و حرص بھری نظروں کو پڑھ چکی تھی۔ جس کا ڈر تھا وہی حقیقت سامنے اپنے خونخوار پنجے لیے کھڑی تھی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

''تو یہ ہے ترانہ...امی...جس کا ذکر آپ کی زبان پر ہر دم رہتا ہے''۔بابر نے ترانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''ہاں بیٹا...میرا تو دل کرتا ہے میں ترانہ کو اپنے پاس ٹھہرا لوں...''مسز جمشید بولیں

''نیکی اور پوچھ پوچھ...''بابر نے گرم نظروں سے ترانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔اچانک بابر کے دل میں گدگدی ہونے لگی۔

ترانہ کو پانے کی حسرتیں کروٹ لینے لگیں۔ترانہ کو لگا جیسے بابر کی گرم نظریں چیونٹیاں بن کر جسم پر چلنے لگیں۔بابر کی موجودگی سخت ناگوار گزرنے لگی۔

خادمہ نے آ کر اناؤنس کیا کہ کھانا لگ چکا ہے۔

مسز جمشید اٹھیں اور ترانہ کے پاس آ کر کہا''چلو بیٹی کھانا تیار ہے''۔

ترانہ اٹھی۔مسز جمشید کے ہمراہ کھانے کے کمرے کی جانب چلی۔

پھر تیمور، آصفہ بابر اور مرینہ کھانے کی ٹیبل کے گرد بیٹھ گئے۔میز بڑی طویل تھی جس میں یک مشت بیس لوگ کھانا کھا سکتے تھے۔

خادمہ بے شمار لوازمات لا لا کر ٹیبل پر رکھ رہے تھے۔مسز جمشید نے آج خاص اہتمام کروایا تھا۔

''آنٹی آج تو آپ نے بہت پُر تکلف کھانا تیار کروایا ہے''۔ترانہ بولی

''بیٹی جب تم آتی ہو تو نہ جانے کیوں بہت خوشی ہوتی ہے۔آسودگی اور تسکین سے م دل سرشار ہو جاتا ہے''۔مسز جمشید کے چہرے سے ماتا کو لہریں ٹھاٹھیں مار رہیں تھیں جو تیمور، آصفہ اور ترانہ نے محسوس کیں۔مسز جمشید طرح طرح کی ڈشز ترانہ کی پلیٹ میں ڈا رہی تھیں۔ساتھ کہتیں جاتیں''بیٹی یہ کھاؤ...وہ کھاؤ''۔

ترانہ نے لاتعلق رویہ اختیار کر رکھا تھا۔وہ بے رخی سے عذر تراشی کرتے ہوئے بو

''آنٹی میں رات کو زیادہ نہیں کھاتی''۔

''امی نے بتایا ہے کہ آپ ابو کی گمشدگی کا سراغ لگانے پر مامور ہوئی ہیں''۔ترانہ

طرف دیکھتے ہوئے مرینہ بولی۔

''جی ہاں۔۔مجھے اسپیشل مشن پر لایا گیا ہے...کراچی...''ترانہ نے جواب دیا۔

''سنا ہے کہ آپ ملک کی سب سے بہترین سُراغ رساں ہیں...''بابر نے معنی خیز مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک سنا آپ نے...ملک کی سب سے بہترین سُراغ رساں...''ترانہ نے اتراہٹ سے تڑی دکھائی۔

''یہاں کچھ لوگ غائب ہو گئے تھے۔ہم ان کی تفشیش کر رہے ہیں''۔تیمور نے مزید وضاحت کی۔

''آپ کس طرح کیس کو حل کرتی ہیں؟ آخر کونسی ایسی خاصیت ہے آپ میں جو آپ کو کامرانی سے ہمکنار کرتی ہے؟''۔مرینہ نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا

''چھٹی حس''۔ترانہ نے مرینہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

''کیا بتاتی ہے آپ کو چھٹی حس؟؟؟''

''میں سونگ لیتی ہوں فاؤل پلے(foul play)''۔ترانہ نے مسکراتے ہوئے مرینہ کو دیکھا

''اور کچھ؟؟''

''تیز اور باریک بین نظر۔جو چہرے کے پیچھے چھپا ہوا چہرہ دیکھ لیتی ہے''ترانہ نے ایک اور دھا کہ کیا۔

بابر اور مرینہ بری طرح چونک گئے۔دونوں کے چہروں پر خوف دامن گیر تھا۔چہرہ کا رنگ اڑ گیا اور زردی مائل ہو گیا۔وہ دنگ رہ گئے۔

یہ تغیر آصفہ، ترانہ اور تیمور نے نوٹ کیا۔

''چلئے چھوڑیئے...آپ یہ بتایئے دنیا کے کونسے ملک دیکھے ہیں آپ نے...''۔آصفہ نے دوسرا موضوع چھیڑا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"لندن، پیرس، نیویارک سب جگہ جا چکے ہیں"۔ بابر نے فخریہ انداز میں کہا۔

"لندن کتنا عرصہ رہے؟"۔ تیمور نے پوچھا

"دو ہفتہ رہے شاید"۔ مرینہ نے بابر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے؟"

"جی ہاں"۔

"اس زمانے میں آپ کے پرنسپل ایاز صاحب تھے...شاید"۔ ترانہ نے سوال کا دامن پھیلایا۔

"ہاں...تو کیا؟"۔ بابر لاپرواہی انداز میں بولا

"ان کو کیا ہوا۔ اچانک غائب ہو گئے"۔

"معلوم نہیں"۔ مرینہ نے جواب دیا۔

"کیا زیبا آپ دونوں کے ساتھ پڑھتی تھی یا نہیں؟" تیمور نے تجسس بھرے انداز سے سوال کیا۔

آصفہ اور ترانہ نے نوٹ کیا کہ مرینہ اور بابر بے تحاشہ ٹھٹکے۔ چہرے پر مردنی چھا گئی۔ خوف ان کی چہروں اور آنکھوں سے ٹپک رہا تھا۔

"ہاں وہ ہمارے ہی ساتھ پڑھتی تھی"۔ مرینہ نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"وہ کہاں ہے میں اس کو ملنا چاہوں گی"۔ ترانہ نے اپنا عندیہ ظاہر کیا

بابر اور مرینہ خاموش تھے۔

"زیبا کا ایڈریس تو ہوگا آپ کے پاس"۔ ترانہ نے دونوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں..."۔ مرینہ نے جھجکتے ہوئے کہا

"وہ بھی اچانک غائب ہو گئی"۔ بابر بولا

"وہ تو آپ دونوں کی دوست تھی نا...؟"۔ تیمور نے کہا۔

"آپ کو کس نے کہا؟"۔ بابر نے قدرے گرم لہجے میں سوال کیا۔

"بس اپنے مشاھدے اور تحقیقات کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں"۔ تیمور نے برجستگی سے جواب دیا۔

"بی۔اے کی ٹینس ٹیم میں آپ کیوں نہیں شامل تھیں؟" ترانہ نے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

"مجھے ٹینس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے..."۔ مرینہ نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔

ترانہ، آصفہ اور تیمور بری طرح چونکے۔

"کیا؟؟؟...بالکل دلچسپی نہیں...میٹرک میں تو آپ چمپین تھیں"۔

"او...ہو...وہ تو میں تھی...لیکن...پھر بعد میں interest loose کر لیا..."۔ مرینہ نے ہونکا ہو کر تینوں کی دیکھا۔

"اونہہ..."۔ ترانہ ہنکاری۔

پھر معنی خیز نظروں سے تیمور اور آصفہ کو دیکھا۔ ترانہ نے دونوں کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں اٹھے آنکھ بچا کر بابر اور مرینہ کے بیڈروم میں چلے گئے۔ آصفہ نے جلدی سے کچھ خفیہ جگہیں ڈھونڈ کر آلے نصب کر دیئے۔ تیمور دروازے پر آیا۔ کھڑا باہر کا جائزہ لیتا رہا۔

"آصفہ اب آ بھی چکو...ختم کرو اپنا کام...کوئی آ جائے گا"۔ تیمور نے آصفہ کو وارن کیا۔

"بس دو منٹ اور...ہمارا کام مکمل ہو جائے گا"۔ آصفہ بولی۔

چند ثانیے بعد دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ صوفے پر بیٹھ کر منہ اثبات میں ہلا دیا۔ یعنی کام ہو گیا۔ ترانہ سمجھ گئی۔

"آنٹی میں دو تین ہفتوں کے لئے لندن جا رہی ہوں کام کے سلسلے میں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتایئے"۔

"مجھے تو صرف تمہاری قربت چاہیے۔ تم پاس ہوتی ہو تو مجھے دلی اور دماغی تسکین اور طمانیت کا احساس رہتا ہے۔ بس خیریت سے آ جاؤ میرے لیے یہی قیمتی تحفہ ہوگا"۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

''خدا حافظ''۔ یہ کہہ کر آصفہ، تیمور اور ترانہ باہر کار کی جانب بڑھے۔ مرینہ اور بابر بڑی تشویش بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ تیمور نے کار پھاٹک سے نکالی۔ سب نے سکھ کا سانس لیا۔

''ہاں... بتاؤ.. آلے نصب کر دیئے تھے۔ پوشیدہ جگہوں میں...''۔ ترانہ نے آصفہ اور تیمور سے پوچھا۔

''بالکل... نظروں سے کلی طور پر پوشیدہ... کم از کم دو ہفتوں کی ٹیپ ہے۔ وقت آنے پر استعمال کر سکتے ہیں ثبوت کے طور پر''۔ آصفہ نے جواب دیا۔

''آج وہ دونوں مشکوک اور چوکنے تھے۔ ضروررات کو باتیں کریں گے۔ ہمارے آلے سب کچھ ٹیپ کر لیں گے''۔ تیمور بولا۔

''انشاللہ جلد کامیابی ہمارے قدم چومے گی، ہم کامیاب و کامران لوٹیں گے''۔ ترانہ بولی

''انشاللہ تعالیٰ''۔ آصفہ نے کہا

www.pakistanipoint.com

باب ۱۶

صبح ہو چکی تھی۔ آصفہ آندھی کے بگولے کی طرح وارد ہوئی۔

''اٹھو... اٹھو... ترانہ... سات بج رہے ہیں... تیار ہو جاؤ''۔

''دفعان ہو جاؤ آصفہ... مجھے سونے دو..''۔ ترانہ نیند میں ڈوبی ڈوبی بولی

''کم آن ڈیئر... آج ہم کو متعدد کام نبٹھانے ہیں''۔

''مثلاً''۔

''مثلاً زیبا کے والد کی طرف جانا ہے۔ مسز ایاز نے ہم کو بلایا ہے۔ کیا سب بھول گئی ہو؟ بھلکو کہیں کی... صحیح کہتے ہیں محبت انتہائی ضرر رسان مرض ہے۔ انسان کو خبطی اور ناکارہ بنا دیتا ہے...'' آصفہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''تیری ایسی کی تیسی آصفہ... تو تڑکے ہی اول فول کا گودام لے کر فضا کو مکدر کرنے آ گئی ہے۔ موڈ کا ستیاناس کر دیا۔ اپنی کتھا کہانی یاد نہیں..'' ترانہ نے چڑچڑے انداز میں بولی۔

''نہیں''۔

''اچھا... یاد نہیں تجھے جب شان ہم کو رسٹورنٹ لے گیا تھا۔ اس نے جب تمہیں دلفریب مسکراہٹ سے دیکھا تو تیرے ہاتھ سے مرغے کی ٹانگ گر گئی تھی۔ اب بتا آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے''۔ ترانہ نے کھلکھلا کر ہنسے لگی۔

ترانہ اب پوری طرح نیند سے باہر تھی۔

آصفہ کھسیانی ہو گئی۔ تاسف ہونے لگا کہ کیوں سوئی ہوئی شیرنی کو جگا دیا۔ ترانہ کا غصہ زائل نہ ہو سکا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

وہ پھر بولی "اب میں تجھے آڑے ہاتھوں لوں گی۔ وہ واقعہ یاد ہے تجھے جب ہم بوٹنگ کرنے گئے تھے۔ شان نے مدد کی خاطر تمہارا ہاتھ پکڑ کر کشتی کے اندر کھینچا۔ تم سیدھے اس کے پاؤں پر جا پڑی... تمہارا منہ اور چمکتے ہوئے جوتے۔ شان ریشہ خطمی ہو گیا۔ مجھ سے تیری والہانہ محبت اور وارفتگی مخفی نہیں لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ تو شان کے جوتوں کو چومنے کی جائز خواہش رکھتی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے تو اس کی محبت میں مغلوب ہو کر اتنی گر جائے گی۔ کیا ہو جاتا ہے تجھے یہ میری سمجھ سے بالاتر ہے"۔

آصفہ کے چہرے پر ندامت و پشیمانی کی لالی پھیل گئی۔

"میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔ شان کو دیکھتے ہی میرے ہاتھ یخ اور جسم کپکپانے لگتا ہے۔ گھگھیا جاتی ہوں"۔ آصفہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "آہ صد آہ۔ معاف کر دو مجھے۔ ذرا سی بات پر تم نے مجھے آئینہ دکھا دیا۔ آئندہ تمہارے نجی معاملات میں دخل دینے سے اجتناب کروں گی"۔ آصفہ مصنوعی تاسفانہ انداز میں بولی

تاخیر ہو رہی تھی۔ ترانہ اٹھ کر بھاگی۔ ہلکا براؤن سوٹ پہنے اپنے بالوں کو سکھاتے ہوئے ترانہ شاور سے نمودار ہوئی۔ صابی نے ناشتہ تیار کیا۔ آصفہ نے کار نکالی اور گلشن اقبال کی جانب روانہ ہوئیں۔ ترانہ پسنجر سیٹ پر براجمان ہو گئی۔

"مہربانی سے کھلے ذہن سے اظہارِ رائے دیجئے۔ اس مشن سے کیا استحصال کے چانس ہیں"۔ آصفہ نے بناوٹ سے پوچھا۔

"قبل از وقت انکشاف خطرے سے خالی نہیں۔ عین ممکن ہے ہمارا وہاں جانا کسی مقصد کی تکمیل کے لئے کارآمد ثابت ہو"۔ ترانہ ترکی بہ ترکی بولی۔

دوسرے لمحے وہ پسماندہ اور بوسیدہ علاقے میں داخل ہوئے۔ مذکورہ گھر پر ہلکی تھاپ دی۔ معمر بوڑھا آدمی ہاتھ میں چھڑی لئے باہر نکلا۔

"اسلام وعلیکم بابا جی"۔ آصفہ اور ترانہ یک زبان ہو کر بولیں۔

"وعلیکم اسلام بچیو۔ کس سے ملنا ہے؟؟"۔ بابا حیرت و استعجاب سے ان کو دیکھنے لگا۔

"بابا جی ہم زیبا سے ملنے آئے ہیں"۔ ترانہ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا

"وہ تو یہاں نہیں ہے"۔ بابا کے لہجہ میں چھپا ہوا درد تھا۔

"تو پھر ہم آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟"۔

"تشریف لاؤ۔ میرے گھر کبھی کوئی مہمان نہیں آتا سوائے ثمرینہ کے۔ مہمان تو اللہ کی رحمت ہے"۔

بابا پیچھے ہٹا۔ ترانہ اور آصفہ آگے بڑھیں۔

کٹیا نما کوارٹر پسماندگی کی نشاندہی کر رہا تھا۔ بابا اپنی آخری عمر بڑی مجبوری اور لاچاری کے عالم میں بسر کر رہا تھا۔ اکیلا غریب بابا۔ دکھوں کا مارا۔ ضرورتِ زندگی کی قلت کی بنا پر وقت سے پہلے بڑھاپا طاری ہو گیا تھا۔ زندگی کی عقوبتیں اور صعوبتیں جھریوں بھرے چہرے سے عیاں تھیں۔

"بابا ہم آپ کے لیے ایک مہینے کی غذا لائے ہیں"۔ آصفہ نے کچھ شاپنگ بیگ زمین پر رکھ دیئے۔

بابا کی آنکھوں میں تشکر اور ممنونیت کے آنسو چمکنے لگے۔

"ہم لوگ زیبا کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔ میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے آئی ہوں۔ یہ میری اسٹنٹ آصفہ ہے"۔ ترانہ نے بڑی ملائمت اور اپنائیت سے اپنا تعارف کروایا۔

بابا کھویا کھویا بیٹھا رہا۔ کمزور آنکھوں سے خلاؤں میں گھورتا رہا۔

"زیبا کہاں ہے؟"۔ آصفہ نے سادگی سے پوچھا

"بچی زیبا کو تو جیسے زمین نگل گئی۔ کتنے سال بیت گئے۔ میں تو اپنی بیٹی کے غم میں ادھ موا ہو گیا ہوں۔ وہی تو میرے بوڑھاپے کا سہارا تھی۔ میں نے اپنی زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا بیچ کر اس کو پڑھایا تھا۔ سولہ جماعتیں پاس تھی"۔ یہ کہتے ہوئے بابا کی آنکھیں میں فخر کی چمک کوندی۔ بہتے آنسو یکا یک تھم گئے۔

"تفصیل سے بتائیے بابا۔ ہوا کیا؟" ترانہ نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

[For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com](http://www.pakistanipoint.com)

"غائب ہونے سے کچھ عرصہ پہلے دفعتاً اچھے اور مہنگے کپڑے پہننے لگی۔ میں نے پوچھا کہ یہ سب کہاں سے لائی۔ تو کہنے لگی کہ وہ اچھی ملازمت پر مامور ہوگئی ہے۔ اس کو رہنے کے لئے فلیٹ بھی مل گیا۔"

"زیبا آخری بار کب آئی؟؟" آصفہ نے دوبارہ سوال اٹھایا۔

"چار یا پانچ سال پہلے۔ اس دن وہ کار میں آئی۔ کچھ کھانے پینے کی اشیاء کپڑے اور خرچ دے گئی۔ بہت پرمسرت تھی۔ کہہ گئی لندن سے اچھی ملازمت کی آفر ملی ہے اور وہ وہاں جانے کا سوچ رہی ہے"۔۔

"اکیلی تھی یا کوئی ساتھ تھا" آصفہ نے سوال اٹھایا

"بابر بابو ساتھ تھے"۔

"جانے کے بعد خطوط بھیجے یا نہیں... یا کوئی پیغام... وغیرہ"۔ ترانہ نے مزید پوچھا

"نہیں... کبھی نہیں... پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا نہیں"۔ بابا مایوسانہ انداز میں بولا۔

"بابا میں زیبا کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتی ہوں۔ مبادا کوئی سراغ مل جائے"۔

بابا اپنی چھڑی اٹھا کر مکان کے اکلوتے کمرے میں داخل ہوا۔

آصفہ اور ترانہ نے بے صبری سے تمام چیزوں کو اتھل پتھل کرنا شروع کر دیا۔ دراز کھولے۔

کچھ تصاویر اور خطوط ہاتھ لگ گئے۔ ترانہ نے اپنے پرس میں رکھ لئے۔

پھر

معاً آصفہ چیخ اٹھی۔

"کیا ہوا؟ کیا دیکھ لیا تم نے؟ کہیں تم نے کوئی بھوت تو نہیں دیکھ لیا"۔

"ترانہ تم پھڑک اٹھو گی دیکھ کر اس کو؟؟" آصفہ کے چہرے پر خوشی کی لالی تھی۔

"کیا؟؟؟"۔

"انمول چیز جو میرے ہاتھ لگی ہے"۔ آصفہ نے اپنی مٹھی بھینچتے ہوئے کہا۔

"دکھاؤ بھی۔ میرا موڈ نہ خراب کرو..." ترانہ نے برہمی ظاہر کی۔

ترانہ کا بگڑتا ہوا موڈ دیکھ کر آصفہ نے مٹھی کھول دی۔

سونے کی زنجیر ہاتھ سے جھول گئی۔

"کیا انوکھی بات ہے اس زنجیر میں جو اپنے آپ کو شاخ زعفران سمجھ رہی تھی"۔

"یہ کوئی معمولی زنجیر نہیں ہے۔ اس لمحہ یہ سب سے قیمتی اور از حد اہمیت کی حامل ہے... اور اس زنجیر کی ایک کڑی ہمارے کیس کے ساتھ آن ملتی ہے"۔ آصفہ نے اتراتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ کس ذمرے میں یہ ہمارے کیس سے منسلک ہے۔ جلدی بکو... مت لو میرے صبر کا امتحان ورنہ پٹ جاؤ گی آج میرے ہاتھ سے"۔ ترانہ تپ گئی۔

"O.K... تو سنو یہ زنجیر میں نے مرینہ کو پہنے دیکھی تھی۔" آصفہ نے زنجیر کو اوپر اٹھا کر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں فتح کی چمک نمایاں تھی۔

"کونسی مرینہ... اصلی یا نقلی..." ترانہ چونک کر پکار اٹھی۔

"اصلی"۔ آصفہ جوشیلے انداز میں بولی۔

"کب اور کہاں؟؟ ترانہ بے اختیار ہو اٹھی۔

"تصویر میں... یہ لاکٹ سیٹ اس نے پہنا تھا"۔ آصفہ نے مزید صفائی پیش کی۔

"تصویر تمہیں کہاں ملی۔ لیکن ہو سکتا ہے تصویر نقلی مرینہ کی ہو" ترانہ نے بحث کو بڑھایا۔

"نہیں... وہ اصلی مرینہ کی ہے"۔ آصفہ نے بڑے وثوق سے کہا۔

"تم کیسے بیقین واثق سے کہہ سکتی ہو؟"۔

"وہ تصویر اصلی مرینہ کی ہے کیونکہ وہ کالج کے سالانہ رسالے میں تھی"۔

یہ سن کر ترانہ کے چہرے پر طمانت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"پھر تو زبردست دریافت کی تم نے آصفہ... گڈ ورک"۔ ترانہ نے آصفہ کی کارکردگی کو سراہا۔

پھر کمرے سے نکلتے ہوئے آصفہ کی طرف مڑ کر کہا "اب چلنا چاہیئے۔ معاون دستاویز ور استدلال مل چکے ہیں"۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

دونوں کمرے سے باہر آ گئیں۔ برآمدے میں بابا چارپائی پر بیٹھا تھا۔

''بابا آپ نے کہا تھا مرینہ آتی ہے کبھی کبھار''۔

''ہاں بیٹا۔ جب سے زیبا گئی ہے وہی میری تمام ضرورتِ زندگی کو خیال رکھتی ہے۔ میں اس کا بہت شکرگزار ہوں''۔

ترانہ اور آصفہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوجے کی طرف دیکھا اور گردنیں ہلائیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں کہ دال میں ضرور کالا ہے۔ درپردہ بہت گہرا راز پنہاں ہے

دونوں بابا کو خیرباد کر کے باہر آ گئیں۔ کار میں بیٹھ کر ترانہ نے اسٹارٹ کی۔

کار چلاتے ہوئے بولی ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ زیبا کہاں غائب ہوگئی اور مرینہ کو بابا کے ساتھ کیوں اتنی ہمدردی ہے''۔

''پتہ نہیں''۔ دونوں چپ ہوگئیں۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد آصفہ گویا ہوئی ''اب کہاں؟؟''

''ایک پنتھ دو کاج۔ مسز ایاز کی طرف...کچھ معلومات ان سے بھی حاصل کرلیں''۔ ترانہ نے کار کورنگی کی طرف دوڑایا۔

چند منٹ بعد وہ مسز ایاز کے گھر کے سامنے تھیں۔

آصفہ اور ترانہ کار سے نکلیں۔ آصفہ نے بیل بجائی۔

خادمہ نے آ کر دروازہ کھولا۔ آصفہ نے خادمہ کو بتایا کہ مسز ایاز کے ساتھ ان کی ملاقات ہے۔

خادمہ نے دونوں کو ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کو کہا اور خود مسز ایاز کو مطلع کرنے چلی گئی۔

گھر کی زیبائش اور تزئین متوسط درجے کی تھی۔ کچھ لمحے بعد انتہائی سلجھی اور بظاہر پڑھی لکھی باوقار خاتون کمرے میں داخل ہوئی۔

''آداب مسز ایاز''۔ ترانہ اور آصفہ نے یک زبان ہو کر کہا

''آداب بیٹھیے''۔

''مسز ایاز ہم نے فون پر اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔ کچھ روشنی ڈال سکیں گی آپ...اپنے

شوہر کی گمشدگی پر''۔ ترانہ نے پوچھا

''سوموار حسبِ معمول کالج گئے۔ سب کچھ نارمل تھا۔ مجھے بتا کر گئے کہ چھ بجے آ جائیں گے لیکن لوٹ کر نہیں آئے۔ پولیس کو مطلع کیا۔ اب تک ان کا نام و نشان بھی نہ ملا۔ میری روح خلاؤں میں معلق ہے۔ ترانہ بیٹی تم ہی میری واحد اور آخری امید ہو۔ حل کر دو اس پہیلی کو۔ آر یا پار۔ سچائی کا لاوا تو سہنا پڑے گا کسی دن''۔ مسز ایاز آزردہ لہجے میں بولیں۔

''آنٹی میری جامع خواہش و کاوش یہی ہے کہ میں ایاز صاحب کو ڈھونڈ نکالوں''۔

''کوئی بھی خاص بات جو آپ کو یاد ہو...خاص دوست خط یا نوٹ ملا ہو..؟'' آصفہ نے تحقیقی لہجے میں پوچھا

مسز ایاز اپنے گہری سوچوں میں غلطاں ہوگئیں۔ پھر گویا ہوئیں۔

''مسٹر ایاز اپنے طالب علم کا ذکر کرتے تھے۔ بسا اوقات مدد لینے گھر بھی آ جاتا تھا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان وابستگی استوار ہو چکی تھی''۔

''نام یاد ہے آپ کو؟'' ترانہ نے باوجود سب سمجھتے ہوئے سوال کیا

''اس کا نام شاید بابر تھا۔ مسٹر ایاز بابر کو بیٹے کا درجہ دینے لگے۔ گمشدگی سے ایک دن پہلے وہ بہت غمزدہ اور دلگیر تھے۔ تمام رات کروٹیں بدلتے رہے۔ پلک بھر نہ سو سکے''۔ مسز ایاز سانس لینے کے لئے رکیں۔ پھر چند خطوط ترانہ کی طرف بڑھائے۔

''کچھ اور بتا سکیں گی''۔

مسز ایاز نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''اگر کچھ ذہن میں آئے تو فون کر دیجیے گا''۔ آصفہ نے تاکیداً کہا

واپسی پر ترانہ اور آصفہ پھولے نہ سما رہی تھیں کیونکہ کیس کو بڑھانے کے لئے کافی مواد معلومات اکٹھی کر لیں۔ جو کہ کیسوں کی تفتیش کے لئے معاونت اور کارآمد ثابت ہوگا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۷

صبح کے دس بجے قائد اعظم ایئر پورٹ سے تیمور ترانہ آصفہ اور ڈاکٹر شان کی لندن تھی۔ کھڑکی والی سیٹ آصفہ پھر ترانہ اور باہر والی سیٹ پر تیمور براجمان ہو گیا۔ ڈاکٹر کو پچھلی قطار میں جگہ ملی۔ ترانہ نے اپنے بیگ سے کچھ تصویریں نکالیں اور تیمور کو دیتے ہوئے کہا" میں نے یہ کاغذات اور تصاویر آپ کو دکھائی تھیں جو کہ مجھے مرینہ کے کمرے سے ملیں۔ ان سے شاید کچھ مدد ملے۔

"یہ زیبا کی فوٹو ہے"۔ ترانہ نے ایک فوٹو آصفہ کو اور دوسرا تیمور کو دیا۔ فوٹو میں ز اور مرینہ کھڑے تھے۔

"آصفہ ذرا غور سے زیبا اور مرینہ کا چہرہ دیکھو اور بتاؤ... کوئی چیز منفرد یا قابلِ توجہ بھی... تیمور... شاید کچھ نظر آ جائے"۔ تیمور نے بغور تصویر کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ آ بھی اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

"مرینہ کے کسی گال پر تل نہیں ہے۔ زیبا کے دائیں گال کے اوپر کالا تل ہے"۔

"ہاں ہے تو پھر کیا..؟" آصفہ نے شانے اچکاتے ہوئے پوچھا

"پھر... یہ کہ جب ہم مسز جمشید کے گھر گئے تھے تو تم نے مرینہ کے دائیں گا دیکھا تھا نا"۔

"ہاں"

"لیکن اصلی مرینہ کے گال پر تل نہیں تھا۔ اور زیبا کے گال پر تھا"۔

"ہو سکتا ہے اس نے کالی پنسل سے مصنوعی تل لگا لیا ہو۔ بعض عورتیں مصنوعی

ہیں خوبصورتی کے لئے..."۔ تیمور نے لمبی تمہید باندھی۔

"او... فو... تو آپ عورتوں کے گال بڑے غور سے دیکھتے ہیں"۔ ترانہ نے طنزیہ فقرہ کسا۔

"نمایاں چیزوں پر نظر تو پڑ ہی جاتی ہے... ڈاکٹر شان نے اپنی ٹانگ اڑائی۔ دانستہ طور پر تیمور کی حمایت کی۔

"شکریہ شان"۔ تیمور نے شکر گزار ہوتے ہوئے کہا۔

"جانے دو ترانہ... بتاؤ اور کیا نوٹ کیا تم نے..."۔ آصفہ نے بمشکل اپنی ہنسی دباتے ہوئے مزید پوچھا

"کان"۔

"کان کو کیا ہوا؟"۔ آصفہ نے حیرانگی سے پوچھا

"مرینہ کے کان چھوٹے اور زیبا کے کان کچھ بڑے ہیں۔ لیکن جب ہم مسز جمشید کے گھر گئے تھے تو مرینہ کے کان بڑے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اصلی مرینہ نہیں تھی"۔

"ہم کو اس سے زیادہ شہادتیں، تحریری مصدقہ دستاویزات کی ضرورت ہو گی"۔ تیمور نے فکرمندانہ اندیشے سے کہا

"سرمد سے آپ نہیں ملے۔ آصفہ اور میں نے کافی مواد اکٹھا کر لیا ہے تفتیش کا... لندن سے واپس کے بعد تمام تحقیقات مکمل کر کے رپورٹ تیار کر لوں گی۔ ڈاکٹر جم سے مل کر ہماری تحقیقات مکمل ہونے کو امکان ہے"۔

جہاز لندن ہیتھ رو ایئر پورٹ پر لینڈ ہونے کو تھا۔ سب نے سیٹ بلٹ پہن لی۔ جہاز بخیریت لندن اتر چکا تھا۔ سب مسافروں نے اپنے سامان کو اٹھا کر ٹرالی میں ڈالا۔

باہر تیمور کا دوست John Smith کھڑا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ تیمور عجلت میں آگے بڑھا اور بغلگیر ہوا۔

جان کو تیمور نے پہلے سے مطلع کر دیا تھا۔ جان نے ٹاور ہل میں ایک فلیٹ لے رکھا تھا۔

جان نے کار میں سامان رکھا۔ فلیٹ کی جانب کار موڑی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

''آپ کے لئے انتہائی دلچسپ سیر کا پروگرام مرتب کیا ہے میں نے...''۔جان نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"oh..no...جان میں تو تعارف کروانا بھول گیا..یہ ہے ترانہ،سب سے بہترین سراغ رساں،اور یہ آصفہ ترانہ کی اسسٹنٹ اور ڈاکٹر شان...اور یہ میرا عزیز دوست جان ہے...''۔ تیمور نے آصفہ،ترانہ اور شان کی طرف دیکھتے ہوئے جان کا تعارف کروایا۔

فلیٹ آچکا تھا۔سب فلیٹ کے اندر داخل ہو گئے۔سامان کو ہال میں رکھا۔لاؤنج میں آکر گپ شپ لگانے لگے۔

ترانہ اور آصفہ نے اپنے کپڑے الماریوں میں ٹانگ دیئے۔پھر دونوں لاؤنج میں آگئیں۔

جان سب سے مخاطب ہوا''کل سب دس بجے تیار رہیں میں آپ کو پک کر کے سارے لندن کی سیر کروں گا''۔

''کہاں...کہاں....لے جاؤ گے ہم سب کو...ہم تو پہلی بار انگلینڈ آئے ہیں...اس لئے ہم سب تمہارے مرہونِ منت رہیں گے۔

کون کون سے مناظر قابلِ دید ہیں''۔تیمور نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا

''ملکہ کا محل،ٹرافلگر سکوائر۔تھیٹر،میوزم،لندن آئی اور پھر کشتی پر سیر...سارا دن اسی میں گزر جائے گا''۔جان نے مزید معلومات میں اضافہ کیا۔

''اور شام کا کیا پروگرام ہے؟''ڈاکٹر شان گویا ہوا

''کسی اچھے سے رسٹورنٹ میں کھانا کھائیں گے''۔جان بولا

''مرچ مصالحے دار کھانے پسند ہیں آپ کو جان؟''۔آصفہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا

''میں تو یہی کھاتا ہوں جب سے تیمور کے ساتھ اشتراک میں کام کیا''۔

''تو پکاتا کون ہے آپ کے لئے؟؟''۔ترانہ نے استعجابیہ انداز سے دیکھ کر پوچھا

''میں خود پکاتا ہوں۔میں نے cookery کا کورس کیا ہے''۔یہ سن کر سب متحیر ہو گئے

''ایک عدد بیوی لے آیئے نا''۔ترانہ چہکی

''ہاں۔میں بیوی کی تلاش میں ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہیں وہ چھوڑ نہ جائے' کیونکہ یورپین لوگوں میں طلاق کی شرح بہت اونچی ہے''۔جان نے مایوسیانہ انداز میں گہرا سانس کھینچا

''افسوس جان...تمہارا کیس تو انتہائی پیچیدہ ہے اور منجمد ہے اور تمام منجمد کیسوں کو حل کرنے کے لئے ترانہ تعین ہوئی ہے۔سراغ رسانی تو ترانہ پر ختم ہوتی ہے۔اس کی باریک بین نظر تمہارے لئے کم از کم ایک عدد بیوی تو ڈھونڈھ نکالے گی''۔تیمور نے مسخرانہ انداز میں ترانہ کی تعریف کی۔''ترانہ کو تیمور کا یہ مسخرانہ انداز ایک آنکھ نہ بھایا۔

وہ یکلخت تپ گئی۔لیکن خود پر کنٹرول رکھنے میں کافی حد تک کامیاب رہی۔

آداب بجالاتے ہوئے وہ خوشدلی سے بولی

''نوازش،کرم،شکریہ مہربانی...میری باریک بین نظر تو ایک حقیقت ہے۔لیکن نظر بھی تو حدودِ نگاہ تک سفر کرتی ہے۔سات سمندر پار تو باریک بین نظر نہیں جاتی''۔ترانہ نے اپنے بچاؤ کے لئے جواز پیش کئے۔

''میں تو مسلمان لڑکی سے شادی کروں گا کیونکہ میں خود مسلمان ہوں''۔جان نے ایک دھماکہ خیز انکشاف کیا۔

''کب سے''۔تیمور ابھی تک حیرت کے سمندر میں ڈبکیاں لگا رہا تھا

''پچھلی دفعہ تم نے مجھے قران مجید دیا تھا وہ میں نے بڑی استغراق سے پڑھا اور اچھی طرح سے سمجھتے ہوئے سنٹرل مسجد میں جا کر کلمہ شہادت پڑھ لیا''۔

''ہوں...اب ہوئی نا بات۔میرا کام بہت آسان ہو گیا ہے یہ مجھے صاف نظر آ رہا ہے''۔ترانہ نے ہنستے ہوئے کہا

''مبارک ہو جان۔سمجھو کھانا بنانا عنقریب ختم''۔شان،آصفہ نے خیر مقدمانہ انداز میں کہا

''انشااللہ''۔جان نے دعائیہ انداز اپنایا

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"کل فراغت ہے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوب سیر کرلیں گے۔ پرسوں سے سیریس تفتیش شروع"۔ تیمور بولا

"بائے دے وے۔ میں نے کافی گروسری کچن میں رکھ دی ہے تاکہ آپ کو آتے ہی شاپنگ نہ کرنی پڑے"۔

"شکریہ جان تم بڑے اچھے دوست ہو۔ تم نے ہر شے کا خیال رکھا"۔

اچانک تیمور نے جان سے پوچھا "جان ہارلے سٹریٹ جانتے ہو؟"

جان نے انگلش میں جواب دیتے ہوئے کہا "فکر مت کرو تیمور میں تم کو ہر جگہ لے جاؤں جہاں جانا چاہو گے"۔

"پھر تو مزہ آ گیا جان ہم کو گائیڈ کرے گا"۔ آصفہ بولی

"میں نے دو ہفتوں کی چھٹی لے رکھی ہے"۔ جان نے مزید بتایا

"اچھا میں چلتا ہوں اب۔ آپ لوگ آرام کریں۔ کل دس بجے آؤں گا"۔ یہ کہہ کر جان اٹھا اور چلا گیا۔ جان کے جاتے ہی سب اپنے اپنے کمرے میں استراحت کے لئے سدھارے۔

جان حسب وعدہ وارد ہوا۔ سب تیار تھے۔ ہارن کی آواز سن کر فلیٹ سے باہر آ گئے۔

صبح دس کا ٹائم تھا اور موسم بھی کافی سہانا تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی لیکن سورج کی تمازت بہت ہی خوشگوار تھی۔

ستمبر کا مہینہ تھا۔ دن کو گرمی اور رات کو خنکی اتر آتی تھی۔

گرم ملکوں کے مکینوں کو اس مہینے میں ٹھنڈک محسوس کرنا قدرتی امر تھا۔ بعض لوگ اپنے لئے گرم سویٹر لے کر چلتے تاکہ عین ضرورت کے وقت استعمال کرلیں۔ تمام دن سیر سپاٹے کرتے رہے۔ شام ہونے کو آئی تھی۔ جان بہت اچھے ریسٹورنٹ میں لے گیا۔ وہاں سب نے کھانا تناول کیا پھر فلیٹ لوٹے۔ جان سب کو فلیٹ چھوڑ کر خود اپنے گھر چلا گیا۔

آصفہ اور ترانہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ کپڑے بدل کر سونے کی تیاری کرنے

لگیں۔

آدھے گھنٹہ بعد دروازے پر ہلکی تھاپ ہوئی۔

آصفہ نے دروازہ کھولا اور وہیں کھڑی رہی۔

تیمور سمجھ گیا کہ وہ دونوں سونا چاہتی ہیں۔ اس لئے وہ اندر نہیں آیا۔ صرف یہی کہنے پر اکتفا کیا "کل ڈاکٹر جم کے ساتھ میٹنگ ہے۔ ضرور کچھ نہ کچھ پتہ چل جائے گا۔ اب آرام کرنا چاہیئے۔ صبح اٹھنا ہے"۔ تیمور شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ سوچوں کے گہرے سمندر میں ڈوبتی چلی گی۔

بستر پر سر دھرتے ہی ترانہ کو مسٹر اور مسز احمد یاد آ گئے۔ انہوں نے ترانہ کو بڑے پیار و شفقت سے پالا پوسا تھا۔

پیسے کی قطعی کمی نہ دی۔ اس کی ہر فرمائش اور خواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ حالات نہائت سازگر تھے۔ اس لیے ترانہ کا بچپن اور جوانی بڑی آرام طلبی میں گزری۔ جب سے حقیقی ماں کا پتہ چلا ترانہ اپنی ماں کے لئے تڑپتی۔ ماں کو دیکھنے کے لئے بیقرار رہتی۔ دل کی بے کلی بتدریج بڑھتی جاتی رہی۔ حالانکہ اصلی ماں نے اپنے جگر کے گوشے کو کسی اور کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کے برعکس جس عورت کے کوکھ سے جنم نہ لیا تھا۔ اس نے اپنی تمام زندگی ترانہ کو پالنے پر نذر کر دی۔ ہر تکلیف پر تڑپتی۔ بیماری میں رات بھر آنکھوں میں کاٹتی۔ تیمارداری کو اپنا فرض سمجھتی۔ لیکن حقیقی ماں کے انکشاف سے تنفر کی الاؤ جو متعدد سالوں سے بھڑک رہی تھی یکلخت سرد ہو گئی۔ محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اپنے خون کی کشش کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ خون ہی اپنے خون کو کھینچتا ہے۔ میں کتنی لاچار ہوں۔ میرا ہاتھ کتنا تہ سنگ ہے۔ ترانہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چلا چلا کر ماں کو پکارے۔ ماں کی آغوش کی گرمائی اپنے وجود میں سمونا چاہتی تھی۔ ہاتھوں کا لمس اپنے بالوں میں محسوس کرنا چاہتی تھی۔ لیکن کتنی بے بس تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی حقیقت کو آشکارا نہ کر سکتی تھی۔ کب وہ دن آئے گا جب میں بھاگتی ماں ماں کہتی ہوئی مسز جمشید کے گلے لگوں گی۔ تھوڑا صبر کرنا پڑے گا ترانہ چند دنوں کی تو بات

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

ہے۔ادھیڑ بن میں وہ نیند میں ڈوب گئی۔بیڈروم میں لائٹ آف تھی۔تیرگی شب نے کمرے کو لپیٹ میں لے لیا۔

اتنے میں دھیمی سی آواز کمرے میں سرسرائی۔''ترانہ...ترانہ...اٹھو...دیکھو میں آگئی ہوں تمہیں ملنے کے لئے''۔

ترانہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

''تم سے ملنے کو دل بے چین تھا...تم میری چھوٹی بہن ہو...میں وعدہ کرتی ہوں تمہارے قاتل کو کیفر کردار پہنچاؤں گی''۔

''خبردار ہو جاؤ...بابر تم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا''۔مرینہ نے افسردہ بھرے لہجے میں کہا۔اس کی خوبصورت نینوں میں آنسو تیر رہے تھے۔''پلیز خیال رکھنا اپنا ورامی کا بھی۔بابر بڑا عیار اور سفاک آدمی ہے وہ تم دونوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔وعدہ کرو محتاط رہو گی''۔

''ہاں وعدہ ہے میرا میں بہت احتیاط برتوں گی''۔

مرینہ ترانہ کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی۔وہ دونوں ہلکے ہلکے لہراتے ہوئے سُراپوں سے چل رہی تھیں۔ترانہ نے دیکھا کہ جب دونوں جھیل کے پاس پہنچیں مرینہ نے ترانہ کا ہاتھ آہستہ سے چھوڑ دیا۔اس کی آواز دور ہوتی سنائی دی۔''ترانہ خبردار رہنا اب میں جا رہی ہوں جہاں سے واپس نہ آسکوں گی...وہ پانی کی سطح کے اوپر چل رہی تھی۔جھیل کے درمیان میں پہنچ کر وہ ہولے ہولے پانی کے نیچے دھنستی گئی۔تمام جسم پانی کے اندر جا چکا تھا۔صرف اس کا سر پانی سے اوپر تھا۔اس کی دھیمی آواز ترانہ کے کانوں میں اترتی رہی''شاید میں اب نہ واپس آؤں گی ترانہ...الوداع...میری پیاری بہن الوداع۔حتیٰ کہ پانی نے اس کا منہ ڈھانپ لیا۔اب وہ مکمل طور پر پانی کے اندر جا چکی تھی۔ترانہ کتنی ساعتیں اس انتظار میں رہی شاید مرینہ پھر پانی سے ابھر آئے۔پھر اچانک جھیل کا پانی، مرینہ اور تمام سین نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ترانہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔اس خواب کا ترانہ پر خاطر خواہ اثر ہوا۔مرینہ شاید اب واپس نہ آئے گی لیکن جہاں

اس نے ڈبکی لگائی تھی وہ مقام ضرور کچھ اہمیت رکھتا ہو شاید۔وہ مجھے جھیل پر کیوں لے گئی۔وہ مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو۔کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی لاش وہاں چھپی ہو۔وہ اپنی لاش دریافت کروانا چاہتی ہو۔مجھے یقین ہے مرینہ مجھ پر یہی بات آشکارا کرنا چاہتی ہے۔

باہر ملگجا اندھیرا تھا۔پو پھٹ چکی تھی۔ترانہ رات والے خواب کو سوچتے ہوئے محسوس کر رہی تھی کہ انشاءاللہ یہ کیس خلافِ توقع جلد ہی اختتام پر پہنچ جائے گا۔ترانہ لیٹی رہی۔کچھ دیر بعد لیمپ آن کر کے فائلوں کو پڑھنا شروع کر دیا۔آدھ گھنٹہ گزرنے کے بعد آصفہ نے بھی انگڑائی لی اور آنکھیں کھول دیں۔

''کیا بات ہے ترانہ نیند نہیں آرہی؟''۔

''نہیں بس تھوڑی دیر ہوئی جاگے ہوئے...''۔

''چائے لے کر آؤں''۔آصفہ اٹھ کر چلی گئی۔

چائے بنا کر لے آئی۔دونوں نے خوب چسکیاں لے کر پی۔ادھر اُدھر کی باتیں کرتیں رہیں۔

اسی طرح کافی ٹائم گزر گیا۔اچانک جب گھڑی پر نظر پڑی تو عجلت سے تیاری میں مشغول ہو گئیں۔

ڈاکٹر شان اور تیمور بھی تیار ہو کر نیچے جان کی کار میں بیٹھے ترانہ اور آصفہ کا انتظار کرنے لگے۔

جان نے ہارلے سٹریٹ کا راستہ لیا۔جو فلیٹ سے قریب ہی تھا۔جان نے سب کو بتایا کہ اس سڑک پر تمام ڈاکٹر پرائیوٹ بزنس کرتے ہیں۔بسا اوقات امیر لوگ ہی یہاں آتے ہیں۔عام شہری ان کی فیس ادا نہیں کر سکتے۔ڈاکٹر جم کا دفتر آگیا۔جان کار میں بیٹھا رہا۔باقی سب کار سے اتر کر آفس میں داخل ہوئے۔آفس انتہائی کشادہ اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔

ڈاکٹر جم واٹ نے بڑے تپاک سے تمام لوگوں کا استقبال کرتے ہوئے مصافحہ کیا۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ معاملہ کافی گمبھیر اور سنجیدہ ہوگا۔اس لئے یہ لوگ اتنی دور سے لندن آئے

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

ہیں۔

''ڈاکٹر جم میں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں انسپکٹر جنرل تیمور ہوں۔ یہ ترانہ ہے جو کیس کو لیڈ کر رہی ہے۔ یہ آصفہ اور یہ ڈاکٹر شان ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ تحمل سے ہمارے سوالات سنیں گے اور اپنے قیمتی وقت میں سے قلیل اوقات ہم کو دیں گے''۔ تیمور نے سب کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر جم کو کہا۔

''میری کوشش رہے گی کہ میں آپ کو مطمئن کر سکوں اور آپ کا معاون بن سکوں''۔ ڈاکٹر جم نے خوشدلی سے جواب دیا۔

''ڈاکٹر جم کیا آپ ان دونوں کو پہچانتے ہیں۔ کچھ سال پہلے یہ لوگ لندن آئے تھے؟''۔ ترانہ نے زیبا اور بابر کی تصاویر ڈاکٹر جم کس دکھاتے ہوئے پوچھا

ڈاکٹر جم نے بغور تصویر کو دیکھا۔ گہری سوچوں میں غلطاں ہو گیا پھر اچانک بول اٹھا ''جی ہاں... یہ میرے پاس آئے تھے غالباً پانچ سال پہلے...''

''کس لئے آئے تھے آپ کے پاس؟''۔ تیمور کی آنکھوں میں امیدوں کے دیپ جل اٹھے۔ سب کے حوصلے بلند ہو گئے۔

''مجھے چیک کرنا پڑے گا''۔ کہتے ہوئے اُپنے کمپیوٹر میں زیبا اور بابر کے ناموں کو فیڈ کیا۔ کمپیوٹر میں تھوڑی دیر ٹائپ کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد ان کے چہرے پر اطمینان بخش تاثرات نے جنم لیا۔ ''یہ دونوں میرے پاس آئے تھے... مجھے اب یاد آیا''۔

''کس لئے؟؟''۔ ترانہ نے بے اختیار ہو کر بولی۔ مزید صبر اس کی دسترس میں نہ تھا۔

''پلاسٹک سرجری... زیبا کے چہرے کی''۔

''تو پھر آپ بتا سکتے ہیں کہ سرجری کے بعد زیبا کیسی تھی؟؟''۔ ترانہ کی روح اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

''بہت خوبصورت... مجھے یاد ہے۔ ڈاکٹر نے دوبارہ کچھ انفرمیشن فیڈ کی۔ کمپیوٹر پر ایک

تصویر نمودار ہوئی۔

''ایسی''۔ ڈاکٹر جم نے کمپیوٹر کی طرف اشارہ کر کے کہا

ترانہ ڈاکٹر شان تیمور اور آصفہ تڑپ کر کمپیوٹر کی طرف لپکے۔ متحر ہو کر ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھنے لگے۔ سب ہکا بکا خاموش کھڑے تھے۔ تصویر ہو بہو مرینہ کی تھی۔

ترانہ کی خوشی چھپائی نہ چھپتی تھی۔ ''مجھے یقینِ واثق تھا کہ مسز جمشید کے ساتھ رہنے والی مرینہ نقلی ہی ہوگی۔ میری خوشی کی انتہا نہیں ہے کیونکہ اب ہمارے پاس مدلل استدلال موجود ہیں''۔

ترانہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈالا اور ایک اور فوٹو نکالی اور کہا ''اب اس تصویر پر نظر ڈالئے۔ یہ تصویر آپ کو کس کی لگتی ہے؟ کیا یہ بالکل ہو بہو آپ کے کمپیوٹر والی سے ملتی ہے یا نہیں؟''۔

ڈاکٹر جم نے فوٹو جلدی سے پکڑ لی اور جوشیلے انداز میں بولے۔ ''جی ہاں میرے کمپیوٹر پر اور یہ تصویر ایک ہی لڑکی کی ہیں''۔

''لیکن ڈاکٹر جم یہ ایک نہیں دو مختلف لڑکیوں کی تصاویر یں ہیں۔ یہی تو پروف ہم کو چاہیے تھا جو آپ نے فراہم کر دیا''۔ تیمور بولا

ترانہ، تیمور اور آصفہ کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹیں بکھر گئیں۔ چہرے پر ہزاروں مسرتوں کے پھول کھل اٹھے وہ نہ جانتے تھے کہ اتنی جلد ان سر کامیابی کا سہرا بندھ جائے گا۔

''ڈاکٹر دراصل ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم کسی طرح ثابت کر دیں کہ یہ دو مختلف لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے پہلی لڑکی نے دوسری کو قتل کر دیا۔ پھر ہمشکل بن کر پہلی لڑکی کی تمام جائیداد اور دولت کی مالکن بن بیٹھی ہے۔ مجھے تحریری ثبوت چاہیے۔ ڈاکٹر جم کیا آپ کے پاس تمام تحریری ثبوت، میڈیکل رپورٹ وغیرہ...''۔ ترانہ نے مزید استفسار کیا

''ہاں تمام تحریری میڈیکل رپورٹ کی فائل میں موجود ہیں... لیکن''۔

''لیکن کیا؟؟؟؟''۔ سب بے اختیار ہو اٹھے۔ انجانے وسوسے دل میں جنم لینے لگے۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"اتنی پرانی فائلیں ہم اس دفتر میں نہیں سٹور کرتے"۔ ڈاکٹر جم نے حقیقت بیان کی۔

ترانہ مزید صبر نہ کر پائی اور بے ساختگی سے پوچھا۔ "لیکن وہ فائل ہم کو مل بھی جائے گی نا"۔ ترانہ نے نایقینی لہجے میں پوچھا۔

ڈاکٹر جم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ہاں ضرور ملے گی لیکن کچھ ٹائم لگے گا۔ جو آپ ثبوت کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ جیسے ہی مجھے موصول ہوگی میں آپ کو فون کر دوں گا"۔

"ڈاکٹر جم ہم آپ کے بہت ممنون ہیں۔ آپ نے اپنے قیمتی ٹائم سے کچھ وقت نکال کر ہم سے ملاقات کی"۔ تیمور نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ پھر ڈاکٹر شان نے ڈاکٹر جم سے ہاتھ ملایا۔

"اگر مزید آپ کو میری ضرورت ہو تو بتایئے گا اور مجھے آنا پڑا تو میں پاکستان آنے سے گریز نہیں کروں گا"۔

"شکریہ بہت بہت ڈاکٹر جم"۔ ترانہ اٹھی اور ساتھ ہی سب ساتھی اٹھ کر آفس سے باہر آگئے۔ چہرے سے کامیابی و کامرانی کے آثار نمایاں تھے۔

"اسی خوشی میں چلو کچھ شاپنگ کر لیں۔ اس کے بعد کھانا کھا کر شام کو دریائے تھیمز کے کنارے چہل قدمی کریں گے"۔ تیمور نے پروگرام میں اضافہ کرتے ہوئے کہا

"میرے دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں خوشی سے۔ میں نہ جانتی تھی کہ یہ کیس ہم اتنی جلد اختتام تک پہنچائیں گے"۔ ترانہ کے حسین چہرے پر خوشی کی لالی تھی۔

"خوشی کے ساتھ ساتھ کچھ انجانا سا خوف میرے جسم میں سرایت کر رہا ہے۔ نہ جانے کیوں دل یہی کہہ رہا ہے کہ یہ کیس اتنی جلد نہیں ہونے والا"۔

"ترانہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ شکرانے کے لڈو بانٹو کیا دقیانوسیت لے کر بیٹھ گئی ہو۔ ڈاکٹر جم دو تین دن تک فائل منگوا دیں گے"۔

"جب تک وہ ریکارڈ نہیں مل جاتے ہماری خوشیاں قبل از وقت ہیں"۔ ترانہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی تو صرف شاپنگ کی سوچو۔ چلو ترانہ یہ تمام فکروں کو خیر باد کرو۔ ذرا مسکراؤ اب پلیز۔ موڈ ٹھیک کر لو میری خاطر"۔

"اچھا... اچھا... رہنے دو یہ چاپلوسیاں... میں جان گئی ہوں آپ کو تیمور..."۔ ترانہ نے اچھے موڈ میں جواب دیا۔

'یہ ہوئی نا بات... میری تو یہ دلی خواہش ہے کہ تم مجھ کو جان جاؤ"۔ جان باہر کار میں انتظار کر رہا تھا۔ سب کار میں بیٹھ گئے۔ جان نے تیمور کے کہنے پر ان کو Oxford Street چھوڑ دیا اور خود واپس گھر چلا گیا۔

تین دن گزرنے کے بعد صبح ڈاکٹر جم نے ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ فائل موصول ہو چکی ہے۔ کسی ٹائم پک کی جا سکتی ہے۔ شان اور تیمور فائل لینے چلے گئے۔ ترانہ اور آصفہ بڑی بے چینی سے فائل کا انتظار کرنے لگیں۔ اس میں تمام ٹھوس ثبوت موجود تھے۔ دو تین گھنٹوں بعد تیمور اور ڈاکٹر شان واپس آئے۔ آصفہ نے دو پلیٹ ڈنر کی گرم کر کے ڈاکٹر شان اور تیمور کو دیں۔ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔ بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا تھا دونوں کا۔

ترانہ مزید صبر نہ کر سکی۔ وہ فائلوں میں مستغرق تھی۔ سب اوراق پڑھ کر اس کے متفکر پیشانی پر اطمینان کی لہریں ابھریں۔

ہونٹوں پر ہلکا تبسم بکھر گیا۔

سب کو دیکھ کر بولی "ان فائلوں کے مطابق اب ہم پورے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ بابر اور زیبا قاتل ہیں"۔

"لیکن جب تک لاشیں نہ ملیں گی ہم ان کو قاتل کیسے ٹھہرا سکتے ہیں۔ لاشوں کو کہاں چھپایا ہے ہم نہیں جانتے"۔ تیمور جھلا کر بولا۔

"لاشیں کہاں ہیں مجھے معلوم ہے"۔ ترانہ نے انکشاف کا گولہ پھینکا جا کہ بڑے یقینی انداز سے بول رہی تھی۔ سب مبہوت ہو کر رہ گئے۔

"کہاں؟؟؟"۔ آصفہ نے سوال کیا

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"مجھے معلوم ہے کہاں اور کونسے حصے میں۔ جب ہم واپس ملک پہنچیں گے تو سب آپ پر آشکارا کروں گی"۔ ترانہ نے حتمی انداز میں کہا

"آپ کو کیسے معلوم ہے؟؟"۔ شان متحیر ہو کر بولا

"میری چھٹی حس بتا رہی ہے"۔ ترانہ نے پُراسراریت لہجے میں کہا پھر مزید اضافہ کیا "مسز جمشید کو فون کر کے سب حالات سے مطلع کرنا ہوگا"۔

"کیا یہ درست ہوگا۔ کیا تم واپسی تک انتظار نہیں کر سکتی؟"۔ آصفہ نے مفید مشورہ دیا۔

"نہیں امی کی جان کو شدید خطرہ ہے۔ یہ خطرہ میں مول نہیں سکتی۔ آصفہ امی کو فون ملاؤ"۔

آصفہ نے مسز جمشید کا نمبر گھمایا۔ کچھ دیر آصفہ نے حال واحوال پوچھے۔ رسمی گفتگو کے بعد فون ترانہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ہلو آنٹی میں ترانہ بول رہی ہوں؟"

"ہاں بیٹی ترانہ کیسی ہو؟ تفتیش کیسی چل رہی ہے؟"

"آنٹی آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ پلیز آپ آرام سے صوفہ پر بیٹھ جائیں۔ کچھ ایسے انکشافات سرمنظر آئے ہیں۔ جو آپ کے خلاف توقع ہیں کہیں آپ لڑکھڑا نہ جائیں کرگر نہ جائیں"۔

"بیٹی جلدی سے بتاؤ آخر بات کیا ہے؟ میرا دل بلیوں اچھل رہا ہے"۔

"آنٹی بابر اور زیبا نے مل کر سیٹھ جمشید کو قتل کیا ہے"۔

"کیا کہہ رہی ہو بیٹی بابر کیوں قتل کرتا سیٹھ جمشید کو؟؟"

"آنٹی یہ پلان بابر اور زیبا نے مل کر بنایا تھا جب وہ دونوں مرینہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ بابر اور زیبا دونوں دولت کے بھوکے تھے۔ اس لئے بابر نے مرینہ سے شادی کر لی تھی۔ حالانکہ وہ زیبا سے محبت کرتا تھا۔ شادی کے چھ ماہ بعد زیبا کے ساتھ مل کر سیٹھ جمشید کو قتل کر دیا۔ خود سیاہ وسفید کو مالک بن بیٹھا۔ آپ کو بابر پر اندھا اعتبار تھا۔ بعد ازاں ان دونوں

نے یہیں انکشاف کیا۔ زیبا چاہتی تھی کہ وہ بابر سے شادی کرے۔ بابر نے پوشیدہ طور پر زیبا سے شادی کر لی۔ لیکن زیبا کا سنہرا خواب آپ کی جائیداد پر قبضہ کرنا تھا۔ آنٹی مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ زیبا اور بابر نے آپ کی بیٹی مرینہ کو شادی کے کچھ دیر بعد ہی قتل کر دیا"۔

مسز جمشید کے گلے سے چیخ نکل گئی۔ پھر یکدم ہنسنے لگ پڑی۔ ہنستے ہوئے بولی "قتل؟؟؟... مرینہ کو؟؟... لیکن وہ تو میرے ساتھ رہتی ہے۔ ماشاءاللہ میری بیٹی مرینہ خوش و خرم ہے"۔

"آنٹی وہ مرینہ نہیں زیبا ہے... ہمارے مطابق اور ڈاکٹر کی فائل کے مطابق"۔ ترانہ نے مزید انکشاف کا ایک اور پٹاخہ چھوڑا۔

"کیا خرافات بک رہی ہو ترانہ؟ کیا ایک ماں اپنی بیٹی کو نہیں پہچانتی؟"

"آنٹی وہ زیبا ہے مرینہ نہیں۔ مجھے سو فی صدی یقین ہے"۔

"تو پھر زیبا کا چہرہ مرینہ جیسے کیسے...؟؟" مسز جمشید ہلکاتے ہوئے بولیں

"کیونکہ بابر نے لندن آ کر زیبا کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کروائی تھی"۔

"کیا؟... کیا؟... مجھے یقین نہیں آ رہا..."۔ مسز جمشید نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا

"اس وقت میرے ہاتھ میں زیبا کی فائل ہے جو ہم نے پلاسٹک سرجن سے حاصل کی جس نے زیبا کا چہرہ بدلا تھا۔ ان واقعاتی شہادتیں، تحریری مصدقہ دستاویزات جو میرے پاس موجود ہیں۔ ان سے ہم نے یہ ثابت کرنا ہے"۔

اچانک مسز جمشید زار و قطار رونے لگیں۔ ترانہ کا دل کٹ کٹ کر خون کے آنسو بہانے لگا۔

لاچار تھی۔ مجبور تھی اور ہزاروں میل دور تھی۔ اپنی ماں کو تسلی وتشفی نہ دے سکی۔ گلے سے لگا کر بے رحم دکھوں اور غموں کا بٹوارہ نہیں کر سکتی تھی۔

"بیٹی تم نے مجھے بہت بری خبر سنائی۔ میرا تو اب کوئی بھی نہیں اس دنیا میں جس کے سہارے میں زندگی کی شام تمام کر سکوں۔ بڑھاپے اور ناتوانی میں کون ساتھ دے گا"۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"میں دوں گی ساتھ آپ کا"۔ ترانہ نے محبت بھرے لہجہ میں کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟"

"یاد کریں آپ کا کوئی اور بھی تو ہے۔اس دنیا میں آنٹی..."۔

"کون؟؟"

"وہی بچھڑی ہوئی بیٹی جس کا ذکر آپ نے مجھ سے کیا تھا۔جس کی تصویر مجھ کو ملی تھی او میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ مسٹر اور مسز احمد کے ساتھ آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"ہاں۔لیکن نہ جانے وہ کہاں ہے؟اس کو ڈھونڈ نا ناممکن ہے"۔

"اتنا بھی مشکل نہیں"۔

"وہ کیسے؟ہاں تم تو سراغ رساں ہو کیا تم مدد کرسکتی ہو؟"

"ہاں۔جس لڑکی کو مسٹر اور مسز احمد نے گود لیا اور پالا تھا...وہ"

"وہ...کہاں ہے بیٹی..؟بتاؤ..؟؟"

"اس کو میں جانتی ہوں"۔

"کون ہے وہ...اور کہاں ہے؟"

"وہ آپ ہی کے شہر میں ہے"۔

"اس کا نام جلدی سے بتاؤ۔میرا دل بری طرح سے دھڑک رہا ہے"۔

"اس کا نام ہے...ترانہ"۔

مسز جمشید چونکی، ٹھٹھکی اور پھر چلا کر بولیں"یہ تو تمہارا نام ہے...کیا تم میری بیٹی ہو؟؟؟"

"جی ہاں میں ہی آپ کی بچھڑی بیٹی ہوں"۔

"کک...کیا..تم کو مسٹر اور مسز احمد نے پالا تھا؟"

"ہاں انہوں نے مجھے پالا تھا...میں ہی آپ کی بیٹی ہوں"۔ پھر دونوں ماں بیٹی فون رونے لگیں۔چند منٹ کے بعد دل کی بھڑاس نکلی تو ڈھارس ہوئی۔

"کتنی دور سے یہ خبر دی تم نے...جلدی آجاؤ میرے پاس۔میں تم کو گلے لگانے کے لئے تڑپ رہی ہوں"۔

"امی ہم پرسوں آرہے ہیں لیکن اس سے پہلے آپ کو کچھ اقدامات اٹھانے ہوں گے۔کاغذ پر لکھ لیں۔ہم نے ڈپٹی انسپکٹر اور پولیس ڈیپارٹمنٹ کو اطلاع دے دی ہے کہ وہ تمام بزنسوں پر نظر رکھیں۔آپ اپنے جنرل منیجر کو بلایئے اور تمام بنک اکاؤنٹ منجمد کر دیجیے۔تمام چیک پر آپ کا اور منیجر کے دستخط ہوگا۔اپنے خاندانی وکیل کو بلا کر وصیت نامہ بدل دیجیے۔تمام کنٹرول منیجر کو دے دیجیے۔کل سے زیبا اور بابر کو مل میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔آپ خود میرے گھر منتقل ہو جائیں۔وہاں چاروں طرف پولیس کا پہرہ ہوگا۔بابر اور زیبا آپ پر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے"۔

"بیٹی میں خوفزدہ ہوں...کہیں میں تمہارے دیدار کو ترستی رہ جاؤں۔میں تڑپ رہی ہوں تمہارے لئے۔بس آجاؤ میرے پاس"۔

"بس امی پرسوں تک انتظار...میں آپ کے پاس ہوں گی۔ذرا باہر دیکھیے۔ڈپٹی شاید آپ کا انتظار کررہے ہیں۔اچھا..امی اللہ نگہبان"۔یہ کہہ کر ترانہ نے فون رکھ دیا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۸

مسز جمشید نے بڑی عجلت سے اپنے تمام ضروری کاغذات اٹھائے۔ تمام نقدی اور قیمتی اشاء، جیولری، اپنے کچھ کپڑے سوٹ کیس میں ڈالے ہی تھے کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ ڈپٹی انسپکٹر عمران کھڑے تھے۔ سلام کر کے انہوں نے تمام سامان اٹھایا۔ مسز جمشید نے نوکروں کو ہدایات صادر کیں کہ گھر کا خیال رکھیں۔ وہ ہفتہ بھر کے لئے جا رہی ہیں۔ ڈپٹی عمران نے سامان جیپ میں رکھوایا۔ مسز جمشید کو جیپ کی پچھلی سیٹ میں بٹھایا۔ ترانہ کے گھر کی جانب جیپ موڑی۔ چوکیداروں میں اضافہ کر دیا۔ چھ پولیس اہلکار گھر کے آس پاس گشت کر رہے تھے۔ صابی نے مسز جمشید کا استقبال کیا۔ سامان اوپر بیڈ روم میں ترانہ کے کمرے میں رکھ دیا۔ مسز جمشید نے صابی کو روکتے ہوئے کہا

"صابی تم ترانہ کے ساتھ کافی عرصہ سے ہو۔ بتاؤ اُس کے کیا شغل ہیں۔ میری بیٹی مجھے چوبیس سال بعد ملی ہے۔ میرا دل تڑپ رہا ہے ترانہ کو گلے سے لگانے کے لئے۔ باتیں کرو میری بیٹی کی۔ شاید میری تشنہ ممتا کو کچھ آسودگی ملے"۔

"بی بی جی۔ وہ تو انسانیت کی ہمدرد، ملنسار، اور نرم گوشہ دل کی مالک ہیں ہماری ترانہ بی بی جی۔ بس ہر دم پریشان رہتی ہیں جیسے کوئی چیز اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے"۔

"کیوں؟؟" بے بسی کے عالم میں مسز جمشید بولیں۔ آنکھوں میں کرب اور جستجو کی تڑپ تھی۔

"وہ جھیل کے کنارے بہت بیٹھا کرتی۔ بعض اوقات مجھے یوں لگا شاید وہ خلا میں گھورتی رہتی تھی یا پھر بڑبڑاتی رہتی تھی جیسے وہ کسی سے گفتگو کر رہی ہو۔ لیکن وہاں کوئی موجود

ہوتا۔ حدِ نگاہ کوئی نہ ہوتا۔ ایک شام تو وہ دیوانگی کی عالم میں بھاگ کر جھیل کے کنارے گئی۔ زور زور سے چلا رہی تھی کہ یہاں کوئی لڑکی کھڑی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ لیکن بی بی جی بھلا اکیلی لڑکی رات کو جھیل کے کنارے کیسے آ سکتی ہے۔ بمشکل ہم سب ترانہ کو سمجھا بجھا کر واپس لے کر آئے"۔

"میری مظلوم بیٹی... مجھے چاہیے تھا میں اس کو اپنے سینے سے لگائے رکھتی۔ ایک لمحے کے لیے اپنے سے جدا نہ کرتی"۔

"بی بی جی آپ پرانی باتوں کو بھول کر اپنی آئندہ زندگی کی خوشیوں کے بارے میں سوچیں"۔

"بالکل درست کہتی ہو تم صابی۔ میری بے چینی اور بے کلی بدستور رہے گی جب تک میں اس کو بیٹی کہہ کر اپنے گلے نہ لگا لوں"۔

اچانک دستک ہوئی۔ دونوں کا ماتھا ٹھنکا۔ دروازہ پر دو چوکی دار کھڑے تھے۔ دروازہ کھلا۔ ڈپٹی عمران جیپ سے اترے۔ پیچھے پیچھے جنرل منیجر صفدر حسین اور بنک منیجر اسلام الدین اور خاندانی وکیل شہر یار خان۔

"آداب میڈم۔ کیسے مزاج ہیں"۔ یکے بعد دیگرے سب نے مسز جمشید کا احوال پوچھا۔

"آیئے سب... ادھر بیٹھئے"۔ صابی نے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ڈپٹی عمران کھڑے رہے۔

وکیل صاحب، منیجر صفدر حسین اور بنک منیجر سب نے یک مشت مسز جمشید سے پوچھا "بیگم صاحبہ آپ نے اتنی ایمرجنسی میں سب کو کیوں بلایا ہے؟"۔

مسز جمشید نے جنرل منیجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "صفدر صاحب کل سے پورے مل کا چارج آپ لیں گے۔ بابر اور مرینہ کو اندر آنے کی اجازت نہیں۔ اگر اندر آنے کی کوشش کی تو سکیورٹی کو کہہ کر باہر نکلوا دیا جائے۔ چیک پر صرف میرے اور آپ کے دستخط ہوں گے۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

میں نے دونوں کو بے دخل کر دیا ہے"۔

"لیکن کیوں بیگم صاحبہ؟؟ وہ تو آپ کے بچے ہیں"۔

"میں مزید وضاحت کی روادار نہیں۔بس میری ہدایات پر فوراً عمل کریں"۔

"ٹھیک ہے میڈم جیسی آپ کی مرضی"۔

مسز جمشید نے بنک منیجر کی طرف دیکھا اور کہا"بنک میں مرینہ اور بابر کے نام جو اکاؤنٹ ہیں ان کو منجمد کر دیں"۔

"او۔کے میڈم جو آپ چاہیں وہی ہوگا"۔

پھر مسز جمشید مڑی اور خاندانی وکیل شہر یار خان کی طرف متوجہ ہو کر کہا"میرا وصیت نامہ لے کر آئے ہیں آپ؟"۔

"جی میڈم یہ رہا"۔مسز جمشید نے وصیت نامہ لے کر پھاڑ دیا۔

"میڈم کیا کر رہی ہیں آپ؟؟"وکیل نے متحیر ہو کر مسز جمشید کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"شہر یار خان صاحب اب نیا وصیت نامہ تیار کیجیے۔میری تمام دولت، بزنس کی مالک ترانہ ہو گی"۔یہ سن کر سب حیرانگی کے سمندر میں ڈوب گئے۔

"میڈم یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟...سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیے"۔وکیل صاحب متجسس ہو گئے۔

"میں نے سب کچھ سوچ بچار کر کے یہ فیصلہ کیا ہے...آپ سب کے لئے ایک خوشخبری بھی ہے....ترانہ میری بچھڑی ہوئی بیٹی ہے"۔

"مبارک ہو بیگم صاحبہ..."سب نے یک زبان ہو کر کہا۔شہر یار خان نے نیا وصیت نامہ تیار کیا۔مسز جمشید نے اپنے دستخط کیے۔

"میڈم اور کچھ کام...جنرل صفدر صاحب بولے۔

"بس میری ہدایات پر عمل کریں اور آپ سب چائے پی کر جائیں"۔مسز جمشید نے صابی کو چائے لانے کے لئے کہا۔

www.pakistanipoint.com

"میڈم چائے کی ضرورت نہیں ہم فوراً واپس جا کر یہ کام شروع کرنا چاہتے ہیں۔خدا حافظ"۔

سب لوگ اٹھ کر اپنے اپنے کاموں پر چل پڑے۔ڈپٹی عمران کے چہرے پر اطمینان کی لہریں ابھریں۔

"مسز جمشید بوس نے مجھ کو جو کام سونپا تھا اور احکامات صادر کئے تھے کہ یہ بخوبی سرانجام ہوں۔اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ سب بخیریت ہو پائے۔میں باعزت سرخرو ہو گیا۔مجھے ڈر تھا کہ بابر موقع پر نہ پہنچ جائے۔مجھے یقینِ واثق ہے رات تک ان کا ماتھا ضرور ٹھنکے گا"۔ڈپٹی عمران نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

مسز جمشید نے بھی سکھ کا سانس لیا۔

"عمران بیٹے بیٹھ جاؤ...ذرا ستا لو۔۔۔کافی بھاگ دوڑ کرتے رہے سارا دن"۔ڈپٹی عمران کی چوبیس گھنٹے گھر پر ڈیوٹی تھی۔

صابی چائے اور دوسرے لوازمات لے کر آئی۔گرم چائے بنا کر پیش کی۔مسز جمشید اور عمران کو چائے کی بہت طلب محسوس ہو رہی تھی۔گپ شپ کے ساتھ ساتھ دو تین کپ چائے پی۔انسپکٹر تیمور اور ترانہ کی باتیں عمران کے ساتھ کرتی رہتیں، سوالات پوچھتی رہتیں۔مسز جمشید اندازہ کر چکیں تھیں کہ تیمور اور ترانہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۱۹

دوسرے دن صبح مرینہ اور بابر تیار ہو کر نیچے ناشتہ کی ٹیبل پر آئے۔ وہاں مسز جمشید کو نہ پا کر کے خادمہ سے پوچھا۔

"امی کہاں ہیں؟" مرینہ نے پوچھا۔

"وہ ہفتہ بھر کے لئے لاہور چلی گئیں ہیں"۔

"اچھا اچانک کیوں؟' مرینہ نے حیرانگی سے سوال اٹھایا۔

"معلوم نہیں شاید کہیں سے فون آیا تھا"۔ وہ بڑی عجلت میں چلیں گئیں"۔

"چلو بابر لیٹ ہو رہے ہیں ہم۔ مجھے آج ایک لاکھ کیش چاہیے۔ میں نے خوب شاپنگ کرنی ہے"

کار میں بیٹھ کر بابر نے پیڈل زور سے دبایا۔ کار چیختی ہوئی چلی۔ آدھ گھنٹہ بعد وہ مل کے مین پھاٹک کے سامنے تھے۔ چھ سات پولیس اہلکار کھڑے تھے۔

"پھاٹک کیوں بند ہے مرینہ؟" بابر متجسس لہجے میں بولا۔

"تم تو مجھ کو مرینہ نہ کہو۔ تم بخوبی جانتے ہو میں مرینہ نہیں ہوں۔ بابر باہر نکل کر پتہ کرو"۔

"کچھ اور دیر تک یہ ڈرامہ جاری رکھنا پڑے گا... یہ مرینہ کے نام والا..." بابر بولا۔

بابر باہر نکلا۔ پھاٹک تک پہنچا۔ چوکی دار سے کہا "پھاٹک کھولو اور اندر آنے دو"۔

"بابر صاحب آپ کو اور بی بی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے"۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ کس نے آرڈر دیا ہے؟" بابر دھاڑا۔

جنرل منیجر کا آرڈر ہے سر"۔ چوکیدار جھکتے ہوئے بولا۔

"بلاؤ ان کو"۔ بابر برہمی سے بولا۔

جنرل منیجر صفدر صاحب پھولی سانس لئے بھاگتے آئے۔

"صفدر صاحب یہ کیا مذاق ہے؟ یہ چوکیدار کیا بکواس کر رہا ہے؟" بابر الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔ آج سے آپ کو معطل کر دیا ہے۔ بابر صاحب"۔ صفدر صاحب پھولی سانس لیتے ہوئے کہا

"کس کے آرڈر پر؟"

"میڈم کے آرڈر پر"۔

مرینہ بھی کار سے اتر کر آ گئی۔

"کیا... میری ماں نے یہ آرڈر دیا؟"۔ وہ حیرتوں کے سمندر میں ڈوبی بولی۔ اس کے لہجے میں نا یقینی کا عنصر نمایاں تھا۔

"جی ہاں"۔

"لیکن کیوں؟"

"ان سوالات کا جواب تو مسز جمشید ہی سے سکتی ہیں"۔

"چلو گھر چلیں۔ وہاں سے فون کر کے پتہ کریں بات کیا ہے؟" بابر نے مرینہ کا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔ دونوں نے اپنے بنگلے کا رخ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو ذلت منہ کھولے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ بنگلے کا مین پھاٹک بھی بند تھا۔ پولیس ان کی منتظر تھی۔

"بابر آپ اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے"۔ پولیس آفیسر نے کہا

"کیوں؟؟"

"یہ مسز جمشید کا آرڈر ہے"۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

دونوں بڑے مشکوک انداز میں سوچنے لگے۔چلو بابر ہم اپنے فلیٹ چلتے ہیں۔یہ فلیٹ زیبا کو اس ذمانے لے کر دیا تھا جب بابر نے مسز جمشید کی بیٹی سے شادی کی تھی۔مرینہ زندہ تھی۔بابر نے زیبا سے نکاح کر لیا تھا۔کبھی کبھار راتیں وہاں بتاتا تھا۔

چند منٹ بعد وہ فلیٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔دونوں نے کھانا بنایا اور کھایا۔سوچوں میں گم تھے کہ اچانک کیا ہوا۔

''مجھے لگتا ہے شاید ترانہ کو ہم پر شک ہو گیا ہے۔وہ آجکل لندن میں ہیں۔شاید پلاسٹک سرجن سے ملے ہوں۔اصلی حقیقت تو صرف وہ ہی جانتا ہے۔اس کے علاوہ کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ترانہ ہی تو اصل مسز جمشید کی جائیداد کی مالک ہے۔اب کیا ہوگا؟؟...ہم لوگ پھر سے سڑک پر آجائیں گے۔سب کچھ چھن جائے گا۔کچھ کرو بابر...مسز جمشید پر راز فاش ہو چکا ہے کہ ترانہ ہی ان کی بچھڑی بیٹی ہے''۔

''وہ تو اچھا ہوا میں نے ترانہ کا پتہ کروا لیا ورنہ پتہ ہی نہ چلتا''۔بابر فکرمندانہ لہجے میں بولا

''لیکن اب کیا ہوگا؟''زیبا نے ہونق انداز میں پوچھا۔

''اپنے بنک اکاؤنٹ جلدی سے کسی دوسرے ملک میں منتقل کرنے ہوں گے ورنہ دیر ہو جائے گی''۔دونوں فلیٹ سے نکل کر بنک کی طرف لپکے۔ بنک منیجر کے آفس پہنچے۔ دونوں نے اس کو بتایا کہ وہ اپنا تمام اثاثہ مریشس ٹرانسفر کرنا چاہتے ہیں۔منیجر نے ان کو بتایا کہ یہ ممکن نہیں کیونکہ مسز جمشید کے آرڈر پر تمام اکاونٹ منجمد ہو گئے ہیں۔بابر کے چہرے کے تاثرات سے زیبا ڈر گئی۔وہ جانتی تھی کہ غصے میں بابر کچھ بھی کر گزرتا ہے۔

اس لیے وہ جلدی سے بولی''بابر تحمل سے کام لو۔فلیٹ چلتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیئے؟''۔

دونوں واپس فلیٹ آگئے۔صوفہ پر پریشان و متفکر چہرہ لئے وہ سوچنے لگے کہ ماجرا کیا

ہے آخر؟

''میرا خیال ہے ان کو ہمارے تمام جرائم کا پتہ چل چکا ہے''۔زیبا نے کہا

''لیکن مرینہ کی لاش،مسٹر جمشید اور پرنسپل ایاز کی لاشوں کا کیسے پتہ لگے گا''۔

''یہ تو بعد کی باتیں ہیں''۔بابر نے جواب دیا۔

''مجھے یقین ہے کہ ترانہ اور تیمور جانتے ہیں کہ میں مرینہ نہیں زیبا ہوں۔مسز جمشید کو بھی انہوں نے چوکنا کر دیا۔اسی لئے انہوں نے یہ تمام اقدامات کئے ہیں''۔زیبا نے سوچ بچار کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی آرام طلب زندگی گزارنے کے بعد ہم کو سڑک پر آنا ہوگا۔میں تو یہ برداشت نہیں کر سکتا۔میں یہ کبھی نہ ہونے دوں گا''۔بابر نے حتمی انداز میں سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''تو...تم...کیا کرو گے؟''

''ترانہ سے شادی''۔

''تیمور اس کا دیوانہ ہے۔یہ آرزو خام ہے...بھول جاؤ...ترانہ کا خیال چھوڑ دو۔ترانہ کیونکر تم سے شادی کو راضی ہو گی۔تم اس کی چھوٹی بہن کو قتل کر چکے ہو''۔زیبا نے یاد دہانی کروائی۔

''جب تک لاشیں نہیں ملیں گی اس وقت تک کوئی ہمیں نہیں پکڑ سکتا۔لاشیں کہاں ہیں یا تم جانو...یا میں...مرینہ تو آکر بتا نہیں سکتی''۔بابر مجنونانہ قہقہے لگانے لگا

''تم نے مرینہ سے شادی کی تھی دولت حاصل کرنے کے لئے پھر اس کو قتل کر دیا۔اب ترانہ سے شادی...ترانہ مرینہ جیسی نہیں ہے۔وہ بہت چالاک ہے۔میرا تو یہی مشورہ ہے کہ تم مسز جمشید سے کچھ حصہ مانگ لو۔اس کو لے کر ہم کہیں دور چلے جائیں گے۔زیادہ لالچ میں کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ترانہ سے شادی کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا''۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"شادی تو میں کر کے رہوں گا۔استحصال بالجبر"۔

"تو میرا کیا ہو گا؟"

"ہم سب ساتھ رہیں گے"

زیبا نے T.V آن کی۔اچانک دونوں کی تصاویر نمودار ہوئیں۔

"بابر دیکھو پولیس پاگل کتوں کی طرح ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے"۔

"اب کیا ہو گا۔ہم تو باہر بھی نہیں جا سکتے۔پولیس نے پہرے لگا دیے ہیں"۔

"جانے کی کیا ضرورت ہے۔اگر ضروری جانا پڑا تو بھیس بدل کر جائیں"۔

باب ۲۰

کراچی ایئر پورٹ پر PIA کا جہاز لینڈ ہو چکا تھا۔ترانہ، آصفہ، تیمور اور ڈاکٹر شان کھڑے سامان کا انتظار کر رہے تھے۔سب نے اپنا سامان پہچانا اور اٹھا کر باہر نکلے۔

ڈپٹی عمران اور مسز جمشید لینے آئے ہوئے تھے۔مسز جمشید نے دور سے ہی ترانہ کو دیکھ کر مضطربانہ انداز میں ہاتھ بڑھائے۔

ترانہ بھاگتے ہوئے ان سے بغلگیر ہو گئی۔

آنسوؤں کی ندیاں رواں تھیں۔

ماں بیٹی کی آنکھوں سے۔بڑی مشکل سے انہوں نے ترانہ کو اپنے سے جدا کیا۔سب نے مسز جمشید کو سلام کیا۔

"چلیئے سر...اب چلنا چاہیے"۔ڈپٹی عمران نے تیمور کو کہا۔

جیپ میں بیٹھ کر سب ترانہ کے گھر پہنچے۔پونے گھنٹہ کے بعد وہ کالے آہنی پھاٹک سے اندر آئے۔

تمام سامان اندر رکھا اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔مسز جمشید ترانہ کو اپنی باہوں میں لے کر صوفہ میں بیٹھ گئیں۔

"اب مجھے پتہ چلا کہ جب میں زیبا کو گلے لگاتی تو مجھ کو کچھ بھی محسوس نہ ہوتا۔لیکن اس کے برعکس جب تم سے بغلگیر ہوتی تو میری ماتا کیوں جوش میں آتی۔اپنا خون کھینچتا ہے اپنی طرف"۔

"امی میں نے کو کہا تھا اس پر آپ نے عمل کیا یا نہیں"۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"ہاں بیٹی وہ سب کچھ عمل درآمد ہو چکا ہے"۔

"جب زیبا اور بابر در بدر کی ٹھوکریں کھائیں گے۔ ضرور کوئی نہ کوئی احمقانہ حرکت کریں گے اور رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے"۔ ترانہ نے وثوق سے کہا

"یہ تو بہت ہی ذی فہم نقطہ ہے۔ ہم ان کو رنگے ہاتھوں ہی پکڑنا چاہتے ہیں"۔ تیمور نے اضافہ کیا

"میں تو اب یہ سوچ رہی ہوں کہ بابر اور زیبا کا اگلا قدم کیا ہوگا ترانہ۔ تمہاری چھٹی حس کیا بتا رہی ہے"۔ آصفہ نے ہلکے پھلکے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"ان کا ہدف میں ہوں۔ وہ مجھ کو اغوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ بابر شیطانیت کا پتلہ ہے اور شیطان کے کان کاٹتا ہے"۔ انتہائی یقینی انداز میں کہا

"تمہارے اغوا سے بابر کو کیا فائدہ ہوگا؟"۔ ڈپٹی عمران نے سوالیہ نگاہوں سے ترانہ کو دیکھا۔

"فائدہ ہوگا۔ بابر مجھ سے شادی کرنا چاہے گا کیونکہ اب میں اچانک امیر وکبیر بن گئی ہوں۔ تمام جائیداد کی مالکن۔ جس کی ڈور بابر کے ہاتھ میں تھی"۔ ترانہ نے اپنا قیاس بیان کیا

"جان سے مار ڈالوں گا۔ اگر بابر نے تم کو ہاتھ بھی لگایا"۔ تیمور غصے میں دھاڑا

"فکر نہ کرو۔ ضروری نہیں کہ ایسا ہو..."۔ ڈاکٹر شان نے خیال آرائی کی۔

"صابی ڈاکٹر شان کا سونے کا انتظام کر دو۔ وہ صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد جائیں گے۔ سونے سے پہلے میں آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں"۔ ترانہ بولی پھر اٹھ کر اپنے بیڈروم چلے گئے۔

سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ تیمور اپنے گھر سدھارے۔ دو تین چھٹیاں لے لیں تاکہ آرام کر سکیں۔

ماں بیٹی بیڈروم رات گئے باتیں رہیں۔

ترانہ دل مسوس کر رہ جاتی جب باپ اور چھوٹی بہن مرینہ کا ذکر آتا۔ ان دونوں کی

قربت ترانہ کے نصیب میں نہ تھی۔ لیکن دل میں اطمینان تھا کہ اب دونوں کی روحیں چین اور طمانیت سے اپنی دنیا میں رہے گے۔ دوسرے دن مسز جمشید نے تیمور کے اہل وعیال کی دعوت کی۔ صابی اور آصفہ صبح ہی سے کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔

مسز جمشید نے ترانہ سے پوچھا "بیٹی تم کو کیا پسند ہے۔ میں اپنے ہاتھوں سے کھانا بنا کر کھلاؤں گی"۔

"میری اور تیمور کی پسندیدہ ڈش چکن بریانی اور گاجر کا حلوہ"۔

پھر مسز جمشید کچن میں گھس گئیں۔

ترانہ بھی پیچھے پیچھے چلی آئی۔

مسز جمشید اپنی ممتا کے اعتماد کے دائرے میں ترانہ کو لپیٹنا چاہتی تھی۔

"امی تکلیف ہوگی آپ کو"۔

"نہیں بیٹی کاش میں تم کو کبھی نہ جدا کرتی اپنے سے..." مسز جمشید کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

ترانہ نے اپنی ماں کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا "اب تو ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے امی۔ دکھوں کی لہروں میں سکھ تلاش کرتے ہیں ہم کو... امی"۔

کچن میں خوب ہنگامہ تھا۔ کھانے زوروشور سے بن رہے تھے۔

چھ بجے تیمور اپنی والدہ شاہانہ اور نادیہ کے ساتھ وارد ہوا۔ آج ہلکے براؤن سوٹ میں وہ شہزادہ لگ رہا تھا۔ کیس سے ذرا فراغت ملی تو ترانہ نے تیمور کی مردانہ خوبصورتی کسرتی جسم، چوڑے اور مضبوط کندھوں کو بغور دیکھا۔ سینے میں دل نے تیز دھڑکنا شروع کر دیا۔ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگی۔ مردانیت کا پیکر، خوبرو اعلیٰ شخصیت کا مالک تیمور۔ ترانہ نے گہرے سبز رنگ کا سوٹ پہنا تھا۔ جس پر موتیوں کا جدید کام تھا۔ آج ترانہ نے تیمور کا پسندیدہ رنگ کا سوٹ اپنے محبوب کی خاطر پہنا۔ تیمور نے ترچھی نظر سے اپنی ترانہ کی طرف دیکھا اور پھر سبز

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کپڑوں پر نظر ڈالی۔ وہ جان چکا تھا کہ ترانہ اس کی خوشی کو مقدم سمجھتی تھی۔

آصفہ اور صابی نے کمرے میں آ کر کھانے کا اناؤنسمنٹ کیا۔

سب ڈرائنگ روم کی طرف لپکے کیونکہ سب کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔

مسز جمشید نے تیمور اور ترانہ کے لیے ان کی پسندیدہ ڈش تیار کی ہیں"۔

"ہائیں... آنٹی آپ نے بھلا کیوں تکلیف کی"۔

"بیٹا یہ میرے لئے عین راحت ہے"۔

کھانے کی تعریف ہوتی رہی۔ چٹکلوں اور ہنسی مذاق کا شور اٹھتا رہا۔ سب کھانا کھا کر پھر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

مسز جمشید جلد ہی میں اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔ تیمور کی والدہ نے فرمائش کر ڈالی۔

"کیوں نہیں۔ فی الحال کچھ عرصہ میں ترانہ کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتی۔ میری ممتا کو صبر تو آنے دو۔ ترانہ اور تیمور ہی تو فقط دنیا میں میرے اپنے ہیں۔ تیمور کو اپنا کام چھوڑ کر تمام کاروبار سنبھالنا ہوگا۔ اتنے وسیع کاروبار کے ہوتے ہوئے ملازمت کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"کاروبار ترانہ سنبھالے گی۔ میں اپنی جاب برقرار رکھوں گا"۔

"دیکھا جائے گا یہ تو بعد کی بات ہے"۔

چائے اور کافی کے بعد تیمور اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ اپنے گھر چلا گیا۔

باب ۲۱

مسز جمشید اور ترانہ اوپر بیڈروم میں آ گئیں۔ دونوں شب خوابی کے کپڑے پہن کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"امی میں آپ کو بتاؤں کس طرح بابر اور زیبا نے قتل کئے۔ آپ ششدر ہو جائیں گی سن کر۔ زیبا اور بابر نے کس صفائی سے تمام جرائم کیے۔۔ بابر نے پرنسپل ایاز کو بھی موت کے گھاٹ اتارا۔ بابر دماغی مریض ہے۔ وہ اپنا غصہ کنٹرول نہیں کر سکتا۔ وہ جنونی حالت میں احمقانہ حرکتیں کرے گا اور رنگے ہاتھ پکڑا جائے گا"۔ ترانہ نے امیدانہ لہجے میں کہا۔ مسز جمشید اپنے سوٹ کیسوں میں سے بہت سے جیولری باکس کھول کر ترانہ کو دکھانے لگی۔

"بیٹی دیکھو یہ تمام زیورات تمہارے لئے ہیں۔ میں نے تمام جائیداد تمہارے نام کر دی ہے۔ تمہارے والد وسیع و عریض جائیداد چھوڑ گئے ہیں۔ وہ سب تمہاری ہے۔ یہ گھر بھی ہمارا ہے لیکن تمہارے والد شہر کے قریب رہنا چاہتے تھے۔ مرینہ کا بچپن یہیں گزرا ہے۔ بہت سے خوشحال سال ہم نے یہاں گزارے ہیں"۔

"اسی لئے تو مرینہ کی روح جھیل اور گھر کے اردگرد گھومتی رہتی تھی۔ اس لیے مرینہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس گھر میں رہے اور یہ گھر بہت عرصہ سے خالی رہا۔ وہ میرے خوابوں میں اکثر آتی تھی۔ مجھ سے باتیں کرتی تھی۔ اُسی نے مجھے یہاں بلایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ کیس میں نے لیا"۔

"کیا اس وقت تم کو معلوم تھا کہ سیٹھ جمشید تمہارے والد اور مرینہ تمہاری بہن تھی"۔

"نہیں۔ لیکن مجھے جلد ہی مرینہ سے فطری اُنسیت اور ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ فوری

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

طور پر میں نے حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ میں مرینہ کی مدد کروں گی۔ مجھے اس سے انجانی سی محبت ہو گئی تھی۔ جو میرے سمجھ سے بالاتر تھی"۔

"تم کو کب پتہ چلا کہ تم میری بیٹی ہو؟" مسز جمشید نے پُرتجسس لہجہ میں پوچھا

"جب میں نے آپ سے فوٹو کے بارے میں پوچھا تھا"۔

"تو بیٹی تم نے مجھ کو اتنا کیوں تڑپایا؟"

"میں صحیح موقع کی تلاش میں تھی۔ میں اپنے کیس میں اسقدر مستغرق تھی جب تک میرے پاس ٹھوس ثبوت نہ ہوتے تب تک میں کوئی خطرہ مول نہ لینا چاہتی تھی"۔

"تم کو مجھ سے نفرت ہو گئی ہو گی۔ میں ظالم اور سنگدل لگی ہوں گی تم کو"۔

ترانہ چپ رہی۔

"یہ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ میں نے قاتلوں کے درمیان بارہ سال گزارے۔ جس کو میں بیٹی سمجھتی رہی وہ زیبا ہے ایک خطرناک قاتلہ جس نے میری بیٹی مرینہ کو کس بیدردی سے قتل کیا ہوگا"۔ یہ کہہ کر مسز جمشید زاروقطار رونے لگیں

"امی پلیز رویئے مت۔ وہ بچ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ ان کو کڑی سزا دلوانا ہی میرا فرضِ اولین ہے۔ آپ بس دیکھتی جائیے"۔

رات گئے دونوں ماں بیٹی تمام عمر کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر تھک کر سو گئیں۔

باب ۲۲

صبح کے دو تین بجے تھے۔

موسم سرما کی آمد آمد تھی۔

مسز جمشید اور ترانہ بستر پر خوابِ خرگوش تھیں۔

تیرگی شب نے تمام ماحول کو لپیٹا ہوا تھا۔

گھرا سناٹا تھا۔

ترانہ کے بیڈروم میں کتابوں کے درمیان شگاف ہوا۔ شلف دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ درمیان میں ایک دروازہ نمودار ہوا۔ دو کالے ہیولے آہستہ آہستہ کمرے میں اندر آئے۔ ان میں سے ایک ہیولا انتہائی محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ بغیر شور کیے دونوں ہیولے بستر پر لیٹی مسز جمشید اور ترانہ کے قریب کھڑے ہو گئے۔

لمبے ہیولے نے جھک کر مسز جمشید اور ترانہ کو جھنجھوڑا اور بڑی درشتی اور درندگی سے چیخا "اٹھو... جلدی... اور نیچے چلو"۔

ماں بیٹی ہڑبڑا گئیں۔ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھیں۔ خوفزدہ وہراساں آنکھوں سے دیکھا سامنے دو نقاب پوپوش ہاش پستول تانے کھڑے تھے۔

مسز جمشید نے ہمت کرتے ہوئے کہا "کون ہیں آپ اور کیا چاہتے ہیں؟"

"خاموش ہو جاؤ... اور نیچے جلدی سے چلو"۔

دوسرا نقاب پوش نیچے چلا گیا۔ اس نے آصفہ اور صابی کو اٹھایا۔ ترانہ اور مسز جمشید سیڑھیوں سے اتریں پیچھے پیچھے دوسرا نقاب پوش ہاتھ میں پستول تھامے آ رہا تھا۔ چاروں

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

عورتیں خوف اور دہشت سے تھر تھرا رہی تھیں۔

"سب بیٹھ جاؤ خاموشی سے۔ اگر کوئی شرارت کی تو یاد رکھنا گولی ماردوں گا۔ پہلا نقاب پوش بڑے خوفناک طریقے سے دھاڑا۔

ترانہ نے دونوں نقاب پوشوں کو پہچان لیا تھا۔

"بابر اور زیبا تم دونوں ...یہ نقاب اتار دو۔ میں نے تم دونوں کو پہچان لیا ہے"۔ ترانہ بولی۔

"اچھا ہوا.. تو یونہی سہی..." یہ کہہ کر بابر نے اپنا اور زیبا نے اپنا نقاب اتار کر پھینک دیا۔

"امی آپ کو یہ کیا سوجھی... آپ نے مجھے بھی مِل سے نکال دیا"۔ زیبا نے غصے میں لال پیلی ہو کر کہا۔

بابر نے عزت و لحاظ بلائے طاق رکھتے ہوئے ترانہ کی طرف مڑتے ہوئے دیکھا اور غرایا۔

"ہماری زندگی بڑے مزے سے گزر رہی تھی۔ تم نے آ کر ہم کو مصیبت میں ڈال دیا۔ ہماری تمام محنت پر پانی پھیر دیا۔ کسی کو کان و کان خبر نہ تھی ہمارے جرائم کی۔ ہمارا ناطقہ بند کر دیا۔ یہ تم نے اچھا نہ کیا"۔ بابر نے یہ کہتے ہوئے پستول کا منہ ترانہ کی کنپٹی پر رکھ دیا۔

"خبردار تم نے میری بیٹی کا بال بھی بیکا کیا"۔ مسز جمشید چکرا گئیں۔

"او... بڑھیا... بکواس بند کرو... اتنی دولت کی تم کو کیا ضرورت ہے..؟ کہاں لے جاؤ گی یہ سب۔ ہم مل بانٹ کر زندگی گزار سکتے تھے۔ یہ لو جائیداد کے کاغذات اور اس پر اپنا سائن کر دو"۔ بابر غرایا

"کیسے کاغذات... میں تم کو جائیداد کیوں دوں جبکہ میری وارث میرے پاس موجود ہے۔" مسز جمشید نے تیز لہجے میں کہا

"میں تمہارا داماد ہوں... اسی رشتے کی لاج رکھ لو ساس صاحبہ"۔ بابر مجنونانہ قہقہہ لگانے لگا۔ کاغذات اور پین مسز جمشید کی طرف

بڑھائے۔ اس کا مکارانہ بہروپ بے نقاب ہو گیا۔

"امی سائن کر دیجئے۔ بابر بالکل دیوانہ ہے۔ مجھے ڈر ہے وہ دیوانگی میں کچھ بھی کر گزرتا ہے"۔ زیبا نے ملتجی انداز سے مسز جمشید کو کہا

"یہ ماں... بیٹی کا ڈرامہ اب ڈراپ کر دو۔ تم پر زیب نہیں دیتا زیبا۔ اب تو عقدہ کھل چکا ہے اس لئے ایکٹنگ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں"۔

"یہ میں کبھی سائن نہ کروں گی خواہ میری جان چلی جائے"۔ مسز جمشید نے انتہائی نفرت انگیز لہجے میں کہا

پھر زیبا کی طرف مڑتے ہو کہا" مجھے ماں مت بلاؤ۔ تم نے میری مرینہ کو مجھ سے جدا کیا۔ میں ترانہ سے ابھی ملی ہوں۔

ممتا کی تشنگی کو سیراب کرنے دو"۔

ترانہ جو کھڑکی کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ ساتھ ایک ٹیبل لیمپ بھی تھا۔ تیز ذہن سے سوچ کر لیمپ کو آن آف کرنا شروع کر دیا۔ پولیس کے آدمی جو باہر کھڑے تھے انہوں نے فوراً تیمور اور ڈپٹی کو فون کر دیا۔

"سائن کر دو ان کاغذات پر بڑھیا... ورنہ"۔ بابر نے زناٹے دار تھپڑ مسز جمشید کو رسید کیا۔

بابر جنونی حالت میں پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔

غصے و جلال سے اس کا منہ تمتماتا ہوا تھا۔

وہ شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ بابر پر جنون سوار تھا۔

زیبا یہ برداشت نہ کر سکی۔ بابر کی ذہنی تبدیلی پر خوف آنے لگا۔ اس نے آگے بڑھ کر مسز جمشید کو سہارا دیا اور کہا" بابر تم بہت زیادتی کر رہے ہو۔ یہ تم کیسی حرکتیں کر رہے ہو"۔ زیبا نے غصیلی نگاہوں سے بابر کو گھورا

"تم کیوں اتنی ہمدرد بن رہی ہو۔ تم نے ہی تو بڑھیا کی بیٹی مرینہ کے قتل کی سکیم بنائی

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

تھی"۔

"شٹ اپ بابر۔ اپنا منہ بند کرو...کیا بک رہے ہو"۔ زیبا نے بابر کو کاٹ دار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا

"شٹ اپ تو میں تم کو کروں گا ہمیشہ کے لئے۔ اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ میں ترانہ سے محبت کرتا ہوں تم میرے لئے فالتو چیز ہو اب"۔ یہ کہہ کر بابر نے پستول سے گولی داغ دی جو زیبا کے دل میں لگی۔

وہ زمین پر ڈھیر ہوگئی۔

سب عورتوں کی دلدوز چیخیں نکل گئیں۔ بابر کی دماغی حالت سے سب عورتیں تھر تھر کانپنے لگیں۔ وہ مکمل مجسمِ شیطان بن چکا تھا۔ نفرت حرص و ہوس نے اندھا کر دیا تھا۔ بابر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وہ توہین اور تضحیک آمیز رویہ پر اُتر آیا۔

اس کی ذہنی حالت کو بھانپتے ہوئے ترانہ نے ماں کس کہا "امی سائن کر دیجئے جائیداد کے کاغذات مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ آپ مجھے مل گئیں تو مجھے سب سے بڑی دولت مل گئی۔ کر دیں سائن"۔

مسز جمشید نے کاغذات پر اپنا دستخط کر دیا۔ اور کہا

"بابر تم نے میری بیٹی مرینہ کو قتل کیا جبکہ میں نے تم کو ہر آرام کی چیز مہیا کی۔ تم کو اپنا بیٹا سمجھا۔ میرے احسانوں کا یہ صلہ دیا تم نے میری بیٹی مرینہ کو جان سے مار ڈالا۔ کیوں کیا سب؟ ذلیل مکار انسان، دردناک موت ہی تیری جائے پناہ ہے"۔

"دولت کے لئے ...میں سب کچھ کر سکتا ہوں"۔ بابر جنونی ہنسی ہنسنے لگا۔ پھر زور زور سے بولا "بڑھیا شاید تمہاری قسمت میں بیٹی کا پیار نہیں۔ قدرت کو بھی ماں بیٹی کا ملن پسند نہیں آیا۔ ترانہ سے میں شادی کروں گا"۔ بابر چیتے کی طرح ترانہ پر جھپٹا۔ ترانہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بابر کو جھٹکا دے کر پیچھے ہٹایا۔

"دیکھو بابر ترانہ کو چھوڑ دو۔ جائیداد تو تم حاصل کر چکے ہو۔ تمہاری یہی جامع خواہش

تھی"۔ آصفہ بولی

"نہیں میں ترانہ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ میرا پیچھا مت کرنا ورنہ اپنی بیٹی سے ہاتھ دھو لو گی"۔ بابر نے مسز جمشید کو دیکھتے ہوئے کہا

"بابر بیٹا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں۔ ترانہ کے علاوہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ سب کچھ لے لو لیکن میری بیٹی کو میرے لئے چھوڑ دو"۔ مسز جمشید آنسو بہاتے ہوئے بولیں

"میں کیسے ترانہ کو چھوڑ دوں...پہلی دفعہ میں حقیقی محبت سے ہمکنار ہوا ہوں۔ جب سے اس کے حسن پر نظر پڑی میں دیوانہ ہو گیا۔ میں نے زیبا کو بھی اس لئے ختم کر دیا۔ صرف ترانہ کو حاصل کرنے کے لئے۔ ترانہ میری ہے...صرف میری"۔

"بابر تم نے بیشتر خوشگوار سال میرے گھر میں گزارے تھے۔ میں تم کو ان احسانات کا واسطہ دیتی ہوں مجھ پر ایک احسان کر دو۔ میری بیٹی ترانہ کو نہ چھینو مجھ سے۔ میں زندہ نہ رہ پاؤں گی"۔ مسز جمشید پھنسی پھنسی آواز سے بولی

آصفہ صابی اور مسز جمشید آنے والی تکلیفوں اور صعبتوں کو سوچ سوچ کر حراساں و تراساں تھیں۔ فضا جگر فگار تھی۔

"چلو ترانہ"۔ بابر اس کا بازو کھینچتا ہوا اوپر بیڈروم میں لے گیا۔ ترانہ کے حلق سے چیخیں نکلیں۔

وہ چلا رہی تھی۔ "امی مجھے بچایئے ...اس درندے سے"۔

بابر نے شلف پر ہاتھ مارا۔ اچانک شگاف نمودار ہوا۔ بابر ترانہ کو کھینچتا ہوا شگاف کے اندر چلا گیا۔

پھر شگاف بھر گیا۔ ترانہ نے پھیلی پھیلی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ بہت بوکھلائی تھی۔

سُرنگ بہت تاریک اور تنگ تھی۔ مکمل سکوت اور اندھیرا تھا۔ انتہائی ہیبت ناک ماحول تھا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

"کہاں لے جا رہے ہو مجھے بابر"۔ ترانہ چیخی

"چپ چاپ میرے ساتھ چلی چلو۔ اس میں ہی تمہاری عافیت ہے۔ دوسرے کنارے کار پارک کر کے آیا ہوں۔ ہم فوراً ایئر پورٹ چلیں گے پھر موریشس روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے بھاری رقم موریشس کے بنک میں منتقل کر رکھی ہے۔ وہاں ہم عیش و عشرت کی زندگی بتا سکتے ہیں"۔

"باز آ جاؤ بابر۔ تم یہاں سے نہ نکل پاؤ گے۔ تم اپنے تمام جرائم قبول کر لو تو میں رحم کی اپیل کر کے تمہاری سزا کم کروا سکتی ہوں"۔

"میں جیل میں ایک دن بھی نہ رہ پاؤں گا۔ مجھے یہ ملک چھوڑنا ہے اور تم میرے ساتھ چلو گی۔ سرنگ میں اندھیرا بہت گہرا تھا۔ بابر آگے چل رہا تھا ترانہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا۔ وہ بہت آہستہ اور احتیاط سے چل رہے تھے۔

ہنوز خاموشی کا راج تھا۔ ترانہ کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ پھر اچانک روزن سے کچھ اندھیرا کم ہوا۔ روشنی باریک سوراخوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ باہر سڑک کے کناروں پر بلب جگنو کی طرح دور سے نظر آ رہے تھے۔ ترانہ کو محسوس ہوا کہ وہ شاید سرنگ کے دوسرے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ لیکن پھر کچھ سوچتے ہوئے ترانہ کی ڈھارس بندھی۔ بابر نے سرنگ کے منہ سے گھاس اور پتوں کو ہٹا کر سوراخ کو ننگا کیا اور اچھل کر باہر آ گیا۔ ترانہ کا بازو پکڑ کر اس کو کھینچا۔ سطح میدان میں تاریکیِ شب کا مسکن تھا۔ بابر نے اپنی نگاہیں سرنگ کے آس پاس دوڑائیں۔ پریشانی کی لہریں اس کے چہرہ پر ابھر آئیں۔ میں نے کار یہاں پارک کی تھی۔ کہاں غائب ہو گئی۔ اُسی لمحے تمام علاقہ روشنی سے منور ہو گیا۔ بابر نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ پولیس اہلکاروں کی بھاری تعداد نے گھیراؤ میں لے رکھا تھا۔ پولیس نے اپنی کاروں کی ہیڈ لائٹ سرنگ کی طرف پھینکی ہوئی تھی۔

ترانہ نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ یہ سب دیکھ کر ترانہ کے سانس میں سانس آئی۔ ڈھارس بندھی۔

تیمور نے لاؤڈ سپیکر میں بولتے ہوئے کہا "بابر پستول پھینک دو۔ ترانہ کو ہماری طرف بھیج دو۔ خود کو پولیس کے حوالے کر دو"۔

"نہیں۔ کوئی مجھ سے ترانہ کو نہیں چھین سکتا"۔

"بابر دماغ سے کام لو۔ پھینک دو پستول۔ خود کو حوالے کر دو پولیس کے۔ میں تمہارے لیے اپیل کروں گا تاکہ جیل کی سزا میں کمی ہو جائے" تیمور نے بابر کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"جیل... ایک دن بھی نہیں رہ سکتا... بابر کی گرفت اپنے پستول پر مضبوط ہوتی گئی"۔

"اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے... حوالے کر دو خود کو۔ تم کسی صورت نہیں بچ سکتے"۔ تیمور نے دھمکی دی۔

"کوئی بھی آگے بڑھا تو میں پہلے ترانہ کو گولی سے اڑا دوں گا پھر خود کو گولی مار دوں گا... خبردار کوئی قریب آیا..." بابر مجنونانہ انداز میں چیخا۔

انسپکٹر جنرل تیمور نے اپنے سٹاف کو پیچھے رہنے کی ہدایت کی۔ وہ لمحہ بھر لرز کر رہ گیا۔ ترانہ کی جان شدید خطرے میں تھی۔

بابر کے بظاہر تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ کوئی راستہ نہیں بچا۔ آگے کنواں پیچھے کھائی۔

"ہے... اک رستہ..." بابر دھاڑا اور پستول کا منہ ترانہ کی کنپٹی پر رکھ دیا۔

"کیا چاہتے ہو بابر؟" تیمور نے چلا کر پوچھا۔

تیمور خوفزدہ ہو گیا۔ بابر کے تیور کو بھانپ چکا تھا۔ تیمور نے تمام اہلکاروں کو گولی چلانے سے منع کر دیا۔

"میرے لیے کار کا انتظام کرو۔ میں ترانہ کو لے کر چلا جاؤں گا۔ اگر کسی نے ہمارا پیچھا کیا تو میں ترانہ کو گولی مار دوں گا۔ میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ایک سیکنڈ کے لئے نہ چوکوں گا۔ اس لئے کوئی بھی کسی قسم کی شرارت نہ کرے"۔

آئی جی تیمور نے کار کا انتظام کیا۔ بابر کھینچتے ہوئے ترانہ کو کار کے پاس لے گیا۔ دروازہ

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

کھول کر بڑی درشتی سے ترانہ کو دھکیلا۔خود ڈرائیور سیٹ پر بیٹھ کر پیڈل دبایا۔

کار چیختے ہوئے چلی۔

پولیس سب ششدر کھڑے رہ گئے۔ان کے ذھن چکرانے لگے۔یہ سب چند منٹوں میں ہوا سب بھونچکا گئے۔دم بخود کھڑے رہے۔بابر ہوا کی رفتار سے پولیس کار کو دوڑائے جا رہا تھا۔"مجھے کچھ دن کے لئے محفوظ پناہ کی ضرورت ہے۔دو ہفتوں کے بعد ہم دونوں ملک چھوڑ دیں گے"۔

ترانہ کار میں ساکت وساکن بیٹھی تھی۔اس کا سینہ آنے والے خطرے کے تحت پھٹا سا محسوس ہوا۔

وہ حواس باختہ بیٹھی رہی۔آدھے گھنٹے بعد کار ایک سنسان علاقہ میں داخل ہوئی۔یہ قدیم پراسرار قبرستان تھا۔

ہر سو ہیبت ناک سناٹا تھا۔ہو کا عالم تھا۔

بابر نے کار کو پرانی کٹیا کے سامنے کھڑا کیا۔

بابر ترانہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔"چلو اترو ترانہ۔ہم یہاں چھپنے کے لئے آئے ہیں"۔

"بابر خود پر ترس کھاؤ۔اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو"۔

"میں جیل میں نہیں رہ سکتا۔جیل جانے سے بہتر میں اپنے آپ کو گولی مار دوں"۔بابر نے کار کا دروازہ کھولا۔باہر نکلا۔کار کے سامنے سے ہوتا ہوا ترانہ کی طرف آیا۔کار کا دروازہ کھولا۔

جھک کر ترانہ کا بازو زور سے کھینچا اور کہا"چلو اترو جلدی۔ہم کو اُس کٹیا میں چھپنا ہے"۔بابر عالمِ جوش میں دھاڑا۔

بابر کے مزاج کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتے ہوئے ترانہ کے چہرے پر خوف ودہشت کی لہریں ابھر آئیں۔وہ کار سے نکلی۔بابر ترانہ کا بازو کھینچتا ہوا کٹیا کے اندر داخل ہوا۔

"کون...کون...کون ہے؟"ایک خاصا معمر بڈھا جس کی کمر جھکی ہوئی تھی بولا۔

"گل بابا میں ہوں...بابر"۔

"بابر بیٹا بڑی مدت بعد ملنے آئے ہو...سب خیر تو ہے"۔

"بابا خیر نہیں ہے۔پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔یہاں چھپنے کے لیے آیا ہوں"۔

گل بابا نے اپنی انگلی سے ترانہ کی طرف اشارہ کیا۔"اس کی وجہ سے۔یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟"

"بابا یہ ترانہ ہے"۔

"لیکن بیٹا تم اس کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟کیوں لے آئے ہو یہاں؟۔یہ یہاں خوف سے مر جائے گی۔برداشت نہ کر پائے گی یہ پُراسرار ہولناک ماحول"۔

"بابا چند دن کی تو بات ہے۔پھر ہم ملک سے باہر چلے جائیں گے"۔

"بیٹا میں تو صرف ترانہ بیٹی کی فکر کر رہا تھا"۔

کٹیا باہر سے بہت چھوٹی لیکن اندر سے گہری تھی...دو کمرے تھے۔ایک کمرے میں چولہا، برتن اور بستر۔

"بیٹا بابر تم اپنے کمرے میں ترانہ کو ٹھہرا دو۔خود میرے کمرے میں سو جانا"۔

"بابا آپ نے میرا کمرہ اُسی طرح رکھا ہوا ہے"۔

"ہاں بیٹا۔وہ دن کتنے اچھے تھے۔جب تم زندگی کے جھمیلوں سے گھبرا کر میرے پاس آ جایا کرتے تھے۔کتنی ہی راتیں تم نے یہاں بسر کیں۔تمہارے والد تم کو ڈھونڈتے ہوئے میرے پاس آ جاتے تھے"۔

"بابا مجھے وہ دکھ بھرے دن یاد نہ دلائیں۔میرے منہ اور سارے وجود میں خون ابلتا ہوا لگتا ہے۔بڑی مشکل سے میں بھول پایا ہوں۔بڑی اذیت ناک بچپن گزارا میں نے"۔پھر ترانہ سے مخاطب ہوا۔

"چلو ترانہ دوسرے کمرے میں تمہیں سیٹ کر دوں"۔ترانہ چار و ناچار دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

دوسرا کمرہ قدرے صاف ستھرا تھا۔اس کمرے میں بابر کے کچھ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ بابر یہاں متواتر آتا جاتا تھا۔گل بابا نے لالٹین جلا کر رکھ دیں۔اس طرح کمرہ زیادہ روشن ہوگیا۔بابر پلیٹ میں سبزی اور روٹی لے کر آیا۔

''ترانہ یہ کھالو۔بھوک لگی ہوگی تم کو...گل بابا سبزی بہت مزے کی بناتا ہے۔مزہ آجائے گا تمہیں''۔ترانہ نے پلیٹ لے لی۔آہستگی سے لقمے منہ میں ڈالنے لگی جیسے وہ زہر مار رہی ہو۔

''سوری ترانہ تم کو تکلیف تو ہو گی لیکن کچھ دن یہ تکلیف سہنی پڑے گی...میرے لئے...میں وعدہ کرتا ہوں تم کو کبھی زندگی میں کوئی مزید تکلیف نہ دوں گا۔چند دنوں بعد ہم ملک سے باہر چلے جائیں گے''۔

''میں نہیں چھوڑنا چاہتی ملک''۔ترانہ روہانسی ہو کر بولی

''ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔پولیس پاگل کتوں کی طرح میرے تعاقب میں لگی ہے''۔

''تم چلے جاؤ اکیلے ہی۔میں کیوں جاؤں...''ترانہ نے ڈرتے ڈرتے کہا

بابر نے پستول نکال کر ترانہ کی کنپٹی پر رکھ دیا اور کہا''تم میری ہو کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔اگر ہم یہاں سے فرار نہ ہو سکتے تو میں تم کو گولی ماردوں گا پھر خود کو''۔بابر کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں۔

ترانہ شاخ بریدہ کی طرح کپکپائی۔اپنے وجود کو قابو نہ کر سکی اور بستر پر گر گئی۔خوف و سراسیمگی عیاں تھی۔

''کتنے دن یہاں رہنا ہوگا؟''

''معلوم نہیں۔پولیس ابھی تو اس شہر کا چپہ چپہ سونگ رہی ہے۔مجھے تمہاری ضرورت کی چیزیں لانی ہیں''۔بابر ترش خوئی سے بولا

''اب جاؤ بابر میں سونا چاہتی ہوں''۔ترانہ نے تھکی تھکی آنکھوں سے بابر کو دیکھ کر کہا

بابر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔زمین پر بچھی ہوئی چٹائی پر دراز ہوگیا۔بچپن کے دن یاد آگئے۔وہ اپنی سوتیلی ماں کے مظالم سے بچنے کے لئے قبرستان میں گل بابا کے پاس آجاتا تھا۔

www.pakistanipoint.com

گل بابا اس کو بڑے پیار سے سمجھا بجھا کر واپس گھر لوٹا دیتا تھا۔کبھی بابر گل بابا کی کٹیا میں سو جاتا۔اس کو قبروں سے ڈر نہیں آتا تھا۔قبرستان کا سناٹا بہت بھاتا تھا۔اپنے اندر کے سناٹے سے خائف تھا۔وہ سوچتا کہ بھلا مرے ہوئے لوگ کیا نقصان پہنچائیں گے۔زندہ لوگوں سے خوفزدہ تھا۔پھر وہ ترانہ کے ساتھ سہانے خواب دیکھتا ہوا نیند کے مضبوط ہاتھوں میں جکڑا گیا۔

ترانہ اس پُراسرار اور ہیبت ناک ماحول میں سخت ہراساں تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح یہاں سے بھاگے۔

اس کا دم گھٹتا جا رہا تھا۔کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔نگاہیں گھومتی پھرتی ہوئی چھوٹی سی میز پر ٹک گئیں۔

وہاں چند کتابیں پڑی تھیں۔ترانہ نے الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا۔وہاں ایک نیلی ڈائری بھی تھی۔

بابر کا نام لکھا تھا اس پر۔ترانہ کا تجسس عروج پر تھا۔وہ سوچنے لگی ڈائری پڑھنی چاہیے یا نہیں۔وہ اعلٰی شخصیت اور ظرف کی مالک تھی۔

کچھ توقف کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بابر کی ڈائری ضرور پڑھے گی۔پہلا صفحہ کھولا۔نظر ٹک گئی۔

ڈائری میں لکھا تھا''امی کو ہم قبرستان میں دفنا کر واپس آئے۔میں اور ابو کافی دیر اپ سیٹ رہے۔پھر حالات معمول پر آتے گئے۔سال بعد ابو نے دوسری شادی کر لی۔میری سوتیلی ماں بہت سخت اور جابر تھی۔میرا ننھا وجود اس کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔وہ مجھ کو دن رات بھوکا رکھتی۔سارا بچپن ظلم سہتے گزر گیا۔اکثر فرار ہونے کو سوچا لیکن مرتے وقت ماں نے نصیحت کی کہ والد کو نہ چھوڑنا کبھی۔یہی وعدہ قدموں کی زنجیر بن جاتا۔کالج جوائن کرنے کے بعد ہوسٹل میں رہنے لگا۔ترانہ ڈائری پڑھتی گئی۔وہ سمجھ گئی کہ بابر ذہنی طور پر مفلوج ہو گیا۔اسی لیۓ وہ اپنے اوپر کنٹرول نہ کر پاتا۔بابر پر ترانہ کو ترس آنے لگا۔انہی سوچوں میں ڈوبی وہ گہری نیند کے جھولے میں جھول گئی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

باب ۲۳

صبح نئی قبروں کی کھدائی ہو رہی تھی۔ گل بابا تڑکے ہی کھدائی میں مصروف تھا۔ باہر کافی شور و غل تھا۔ اس شور نے ترانہ کو جگا دیا۔ آنکھیں ملتی کسلمندی بھری انگڑائی لیتے ہوئے اُٹھی۔ چاروں طرف نظریں پھیریں اور اجنبی ماحول دیکھ کر چونکی۔ بھول گئی تھی کہ وہ گل بابا کی کٹیا میں ہے۔ بابر نے کڑک چائے اور بسکٹ لا کر ترانہ کو دیئے۔ ترانہ نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"اب تم کیا کرو گے؟"

"جب بھی موقع ملے گا تمہارے کپڑے لانے کی کوشش کروں گا"۔ چائے پی کر بابر باہر چلا گیا۔

ترانہ بالکل اکیلی رہ گئی۔ ذہن نے پھر ہولناک خیالات نے جگہ لے لی۔ اچانک لکڑی کے دروازے پر تھاپ دی۔ باہر نکلی۔ دروازہ تھوڑا وا کیا۔ دروازہ کے باہر نوجوان آدمی کھڑا تھا۔ ترانہ نے بدحواسی میں پوچھا

"کس سے ملنا ہے؟"

نوجوان آدمی لڑکی کو اس ہیبت ناک جگہ میں دیکھ کر عجیب کشمکش میں پڑ گیا۔

بھونچکا گیا۔

وہ سمجھ گیا کہ کوئی مشکوک معاملہ ہے۔

"مجھے جگ میں کچھ پانی چاہیے۔" نوجوان نے متذبذب لہجے میں کہا

"یہاں ٹھہریئے میں پانی لاتی ہوں"۔ ترانہ دھیمی آواز میں سرسرائی۔ نوجوان انتہائی

اچنبھا کا شکار تھا۔ لب و لہجہ سے لڑکی انتہائی مہذب اور سلجھی ہوئی لگی۔ ضرور کسی سازش کا شکار ہو گئی۔ نوجوان بہت تذبذب کیفیت میں کھڑا رہا۔

ترانہ جگ لے آئی اور بولی۔

"لیجیے پانی"۔

"شکریہ بی بی۔ میں شدید الجھن میں مبتلا ہوں۔ آپ کو اس وحشت ناک ماحول میں دیکھ کر۔ یقیناً آپ کسی سازش کا شکار ہیں"

"ہاں مجھے اغوا کیا گیا ہے اور یہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے"۔

"کس نے اغوا کیا آپ کو اور کہاں ہے وہ شخص؟"

"وہ شہر گیا ہوا ہے"۔

"تو پھر آپ میرے ساتھ چلیے"۔

"نہیں وہ شخص انتہائی سفاک اور درشت سرشت کا۔ اگر وہ آ گیا تو ضرور ہم دونوں کو گولی سے اڑا دے گا۔ پولیس میرا سراغ لگا رہی ہو گی۔

اللہ میرا نگہبان ہے"۔

"کیا یہی فیصلہ ہے آپ کا؟"

"جی۔ آپ بے فکر ہو کر جایئے"۔

نوجوان چار و ناچار ترانہ کو چھوڑ کر پانی کا جگ لے کر واپس چلا گیا۔ گھر واپس جاتے ہوئے اُس کی نظر اپنی کار میں پڑے اخبار پر پڑی۔ وہ چونکا۔ سوچنے لگا یہ تصویر تو اسی لڑکی کی ہے۔ مجھے فوراً پولیس اسٹیشن چلنا چاہیے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ پولیس اسٹیشن آیا۔

چند ثانیے بعد وہ تیمور کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے قبرستان والا واقع تیمور کو سنایا۔ تیمور کے اپنے وجود میں خوشی کی لہریں محسوس کیں۔ یہ غیر متوقع انکشاف تھا۔ کتنی جلد ترانہ کا سراغ مل گیا۔

تیمور نے اپنے اسسٹنٹ عمران کو آفس بلایا تا کہ وہ بیٹھ کر پلان بنائیں۔ کس طرح ترانہ کو

www.pakistanipoint.com

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

قبرستان سے نکالنا چاہیئے۔

پلان مرتب کر کے انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ تیمور انتہائی اذیت ناک کیفیت سے دو چار تھا۔ ترانہ گمبھیر خطرے میں گھری ہوئی تھی۔ ان حالات میں کبھی کبھار موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

تیمور بے چینی اور بے کل تھا۔

ساعتیں رک رک کر سرک رہی تھیں۔

گھڑی کی سوئی تو جیسے جم گئی تھی۔

بالآخر رات کے دس بج گئے۔

'آپریشن اول' کی شروعات ہوئی۔ تیمور، اسٹنٹ عمران اور چار پولیس اہلکار جن میں دو عورتیں تھیں۔ دو گاڑیوں میں بیٹھ کر خاموشی سے قبرستان کے اندر کٹیا آئے۔ ذرا دور پارک کیں۔ دبے قدموں سے کٹیا کے قریب آئے۔ قبرستان میں سناٹا اور گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ سب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کٹیا کے اندر سے اونچے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کٹیا کے اندر آئے۔ لالٹین جل رہی تھی۔ تیمور اور عمران دوسرے کمرے میں گئے۔

سارے دن کی ہولناکیوں سے وہ نڈھال تھی۔ ترانہ گہری نیند میں جھول رہی تھی۔ ہولے ہولے سانس لے رہی تھی۔

تیمور نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تا کہ شور نہ کرے۔ ترانہ نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ترانہ کی چیخ نکلنے سے پہلے تیمور نے منہ پر ہاتھ رہنے دیا۔ اشارے سے چپ رہنے کی تاکید کی۔ لیڈی پولیس ترانہ کو لے کر خاموشی سے کٹیا سے باہر لے آئیں۔ ترانہ کو بڑے خیال سے کار میں بٹھایا۔ ادھر تیمور عمران اور دو پولیس کانسٹبل بابر کے گرد کھڑے تھے۔ عمران نے اپنی چھڑی سے تیمور کو ہلکی ضرب لگائی۔

"بابر... بابر... اٹھو"

بابر ہڑبڑا کر اٹھا۔

"کسی قسم کا غلط قدم نہ اٹھانا۔ ہم تمہیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔ تم بچ کر نہیں جا سکتے"۔ ڈپٹی آئی جی نے سخت آواز میں کہا

"میرا کیا جرم ہے؟"

"تم نے زیبا کو قتل کیا ہے۔ اس قتل کے جرم میں تم کو گرفتار کر رہے ہیں"۔ ایک کانسٹبل نے آگے بڑھ کر بابر کو ہتھکڑی لگانے کی کوشش کی۔ بابر نے پھرتی سے کانسٹبل کی ریوالور نکالا اور کٹیا سے باہر بھاگا۔

کار میں ترانہ بیٹھی ہوئی تھی۔ بابر نے ترانہ کے سر پر ریوالور رکھ دیا اور دھاڑا

۔"باہر نکلو۔ جلدی سے"۔ ترانہ خوفزدہ ہو کر باہر نکلی۔

ترانہ نے ہراساں ہو کر اپنی آنکھیں میچ لیں۔ وہ جان گئی کہ موت سامنے خونخوار جبڑے کھولے کھڑی ہے۔

بابر نے بڑی بے بسی کے عالم میں ترانہ کو دیکھا اور سرگوشی میں کہا "ترانہ تمہارے لئے..."

بابر مخبوط الحواس ہو گیا۔ پھر ریوالور اپنے سر پر رکھ کر گولی چلا دی۔ ترانہ کے گلے سے دلدوز چیخ نکلی۔ بابر کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ بھیجا باہر آ گیا۔

ترانہ نے جھٹکے سے خود کو آزاد کیا۔ ترانہ کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ وہ خوف و دہشت سے چلا رہی تھی۔ بابر کے خون کی چھینٹوں سے ترانہ کے کپڑے لت پت تھے۔

بابر زمین بوس ہو گیا۔

تیمور اور ڈپٹی عمران ترانہ کی جانب بھاگے۔ ترانہ بے ہوشی کے عالم میں تیمور بازوؤں میں جھول گئی۔

نازک جسم لیکن ارفع عزائم کی حامل متعدد حوادث کا مقابلہ نہ کر سکی۔ ایمبولنس آئی۔ بابر کی لاش کو اٹھایا۔ پھر گھر کی جانب گئی۔ زیبا کی لاش خون سے لت پت پڑی تھی۔ اس کو لے کر ہاسپٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

آصفہ، صابی اور مسز جمشید بنگلے کے پھاٹک پر کھڑی تھیں۔ کمبل اور شال لئے ترانہ کی طرف بھاگیں۔ ترانہ جواب ہوش میں تھی۔ تیمور کی باہوں کا سہارا لئے چل رہی تھی۔

مسز جمشید نے شال ترانہ پر ڈالی اور بولیں ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میری بیٹی بچ گئی۔ انہوں نے بڑھ کر اپنی بیٹی کو گلے لگایا۔ پھر اس کو لے کر ڈرائینگ روم میں آگئیں۔ سب لوگ پیچھے چلے آئے۔ ترانہ نے اپنے کپڑے اوپر جا کر بدلے پھر نیچے واپس آگئی۔ صابی اور آصفہ نے سب کو گرم چائے پیش کی۔ ترانہ صوفہ پر کمبل اوڑھے لیٹی رہی۔ اس کا سر اپنی ماں کی گود میں تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ میری بیٹی ترانہ اس ظالم آدمی کے چنگل سے بچ گئی''۔ مسز جمشید اپنی بیٹی کے بال سہلاتے ہوئے بولیں

ترانہ کو ماں کے لمس سے غنودگی چھا رہی تھی۔ وہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ گھنی چھاؤں تلے آن بیٹھی ہے۔ ماتا کے ٹھنڈے لطیف جھونکے ترانہ کی روح اور بدن کو طراوت و تازگی بخش رہے تھے۔ زندگی کی الجھنیں اور پیچیدگیوں کے بادل چھٹتے گئے۔ ماں کے لئے جو نفرتوں کی دیوار تھی وہ ماں کے لمس سے یکسر زمین بوس ہو گئی۔ گھنٹوں یونہی دونوں بیٹھی رہیں۔ رات تھوڑی سوانگ بہت۔ ماں بیٹی خلاؤں میں خوشیوں کو تلاش کرتی رہیں۔ سورج اوپر چڑھ آیا تھا۔ کوئی بھی رات بھر نہ سویا۔ صابی ہر گھنٹے بعد چائے لاتی رہی۔ تمام رات چائے پیتے پیتے بیت گئی۔

باب ۲۴

تیمور اور ڈپٹی عمران کے زیرِ نگرانی غوطہ خور جھیل میں ڈبکیاں مار مار کر لاشیں ڈھونڈھ رہے تھے۔ اپنے اہلکاروں کو ہدایات صادر کر کے دونوں بھر کے اندر چلے گئے۔ اچانک تیمور کا موبائل بجا۔ جس سے پتہ چلا کہ انہوں نے لاشیں جھیل سے نکال لیں ہیں۔ مسز جمشید کو شناخت کے لئے بلا رہے تھے۔

''کیا بات ہے کس کا فون ہے؟'' ترانہ نے استفسار کیا۔

''غوطہ خوروں نے تین لاشیں جھیل سے نکال لیں ہیں۔ مسز جمشید کو چلنا ہوگا شناخت کے لیے''۔ تیمور نے جواب دیا

''چلئے امی میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ آپ کو اکیلے نہیں جانے دوں گی''۔

ترانہ اور باقی سب لوگ باہر نکل آئے۔ جھیل کی جانب چلے۔

تینوں لاشوں کو سٹریچر پر لٹایا ہوا تھا۔ سفید چادروں منہ کے اوپر ڈھانپی تھیں۔

مسز جمشید اور ترانہ کی اندرونی حالت ابتر تھی۔

ہر قدم پر ان کے دل و آنکھیں خون کے آنسو رو رہے تھے۔

تیمور نے پہلے سٹریچر سے چادر ہٹائی۔ مسز جمشید نے جھکتے ہوئے دل کڑا کر کے چہرے پر نظر ڈالی۔

سر اثبات میں ہلا دیا۔

یہ سیٹھ جمشید کی لاش تھی۔ پُرنم آنکھیں لئے کھڑی رہیں۔ چشم حقیقت سے جو نظارہ روبرو دیکھا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

بڑا ہی روح فرسا۔ سوچ رہی تھیں کہ اس شریف النفس خصال کے مالک شخص نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ ہمدرد، غریبوں کا مددگار آنسو آنکھوں سے بہتے رہے۔

اندیشوں اور غیر یقینی کے بادل چھٹ گئے۔

سیٹھ جمشید نے بالا آخر اپنی اصل منزل پالی۔ اب ان کی روح تسکین و آسودگی محسوس کرے گی۔

مسز جمشید آگے بڑھیں۔

ترانہ پیچھے تھی۔

اس کی حالت دگرگوں تھی۔

سوہانِ روح منظر تھا۔ جو شخص سٹریچر پر بے جان پڑا تھی وہ اس کا باپ تھا۔ جس کے شفقت کے لیے وہ ساری عمر تڑپی تھی۔ ملا بھی تو بے جان لاش کی صورت میں جس شخص نے بچپن میں ہی ترانہ کی ذات کی نفی کر دی تھی۔ اپنے سے دانستہ جدا کیا۔

اُس شخص کے لئے اتنی ہمدردی اور محبت کیوں محسوس کر رہی تھی؟

کیوں خود بخود نفرتوں کی خلیج بھر گئی تھی؟

کیوں دل ان کے لئے خون کے آنسو رو رہا تھا؟

آنکھوں میں برسات کی جھڑی تھی۔

دامنِ صبر چھٹا جا رہا تھا۔

ترانہ نے سفید چادر اپنے باپ کی لاش پر ڈھانپ دی اور چند قدم آگے بڑھی۔

دوسری لاش مرینہ کی تھی۔ مسز جمشید اپنی بیٹی مرینہ کی لاش کو دیکھ کر چکرا کر پیچھے لڑکھڑائی۔

ترانہ نے عجلت سے بڑھ کر ماں کو سنبھال لیا۔ ماں کی رو رو کر ہچکی بندھ گئی۔

ترانہ نے مرینہ کے اوپر نظر ڈالی۔ وہی ہو بہو خواب والی مرینہ۔ میری پیاری چھو

بہن۔

جس کے اصرار پر ترانہ اس کیس کو حل کرنے آئی تھی۔ لاشیں پانی میں رہنے کی وجہ سے بالکل صحیح حالت میں تھیں۔

یوں لگتا تھا شاید مرینہ ابھی سو رہی ہے۔

ترانہ مرینہ کے پاس آئی۔ خوبصورت دلکش پری۔ ترانہ کو یوں لگا جیسے اچانک مرینہ کی دھیمی سی آواز کے کانوں میں سرسرائی۔

''ترانہ... شکریہ ... کیس حل کرنے کا... رخصتی کا وقت قریب ہے۔ اب میں اپنی دنیا میں جا رہی ہوں۔ سکھ چین و آسودگی سے رہوں گی۔ تم اپنی دنیا میں شاد و آباد رہو۔ ماں کو خوش رکھنا۔ تمام کائنات کی خوشیوں مبارک... الوداع... الوداع میری بہن''۔ ترانہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی ندیاں رواں تھیں۔ لیکن وہ مطمئن تھی کہ قاتلوں کو سزا مل چکی تھی۔ اپنی چھوٹی بہن پر آخری نظر ڈالتے ہوئے کہا

''الوداع میری بہن مرینہ الوداع... کاش چند گھڑیاں تمہاری رفاقت میں گزارتے... جاؤ اب اپنی دنیا میں بس جاؤ... خوش رہو سدا... الوداع...''۔

ترانہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

ادھوری... شکستہ پا۔

ترانہ نے مرینہ کے منہ پر چادر ڈال دی۔

ماں بیٹی غم بچھاڑیں کھا رہی تھیں۔ اپنی محرومیوں پر نوحہ خواں تھیں۔

''چلئے مسز جمشید گھر چھوڑ آؤں۔ تیمور نے اپنے دائیں بازو سے مسز جمشید کے کندھوں کو پکڑا اور سہارا دیا۔ ترانہ اپنی ماں کے دوسرے پہلو میں چل رہی تھی۔ رنج و الم سے نڈھال۔ کبیدہ خاطر تھیں۔ دل و جگر جل رہے تھے۔ تھکے ماندے گھر لوٹے صوفے پر بے دم ہو کر سب بیٹھ گئے۔ ترانہ اپنے وجود میں عجیب سی خاموشی پا رہی تھی۔ ڈپٹی عمران اپنے عملے کو لے کر واپس جا چکا تھا۔

For More Urdu Books Please Visit:
www.pakistanipoint.com

''تیمور بیٹا اب کیا خیال ہے تمہارا۔ کب اپنی امانت کو لے جانا چاہتے ہو۔ میں خوش ہوں کہ مجھ کو بیٹی کے ساتھ تمہارے جیسا بیٹا بھی مل گیا۔ میری تم سے یہ درخواست ہے کہ کچھ دن میں اپنی بیٹی کی قربت میں گزارنا چاہتی ہوں''۔

''آپ کی خواہش سر آنکھوں پر آنٹی.. آپ جب تک چاہیں ترانہ کو رکھ سکتی ہیں۔ گو ایک فریضہ میں ابھی پورا کئے دیتا ہوں''۔ تیمور معنی خیز نگاہوں سے مسز جمشید کو دیکھتے ہوئے کہا

''کیا؟ کیسے؟؟...کیا مطلب ہے تمہارا؟؟'' مسز جمشید نے سوالیہ نظروں سے تیمور کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا

''وہ ایسے..''۔ تیمور نے اپنی جیب سے ہیرے کی انگوٹھی نکالی اور ترانہ کو پہنا دی۔

مسز جمشید اور ترانہ متحیر ہو گئیں۔ ترانہ نے اپنی شرمگین نظروں سے تیمور کو دیکھا۔ چہرہ آلود ہو گیا۔

''بیٹا کیا تم انگوٹھی لئے پھر رہے تھے؟''۔ مسز جمشید نے ہنستے ہوئے پوچھا

''جی آنٹی میں نے یہ انگوٹھی لندن سے خریدی تھی۔ بس میں ترانہ کی ہاں کا منتظر تھا۔ دامنِ امید پھیلائے کھڑا تھا''۔ تیمور نے برجستہ جواب دیا۔

مسز جمشید سونے کے لئے اوپر چلیں گئیں۔ ان کے جانے کے بعد دونوں نے آزادی کا سانس لیا۔

تیمور نے مستی بھری نظروں سے ترانہ کو دیکھ کر پوچھا ''تمہاری چھٹی حِس کیا کہہ رہی ہے اس وقت''۔

''کہہ رہی ہے تھام لو ہاتھ اپنے پریتم کا۔ بڑا ہی دلدار ہمسفر ملا ہے تم کو ترانہ''۔ یہ کہہ کر ترانہ نے تیمور کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔ تیمور کے ذھن پر جو نایقینی کے تاثرات مسلط تھے وہ روئی کے گالوں کی طرح اڑ گئے۔

تمام فضا، ساری کائنات دونوں کے ملن کے پریت بھرے گیت گانے لگی۔